ماہوار
شہاب

قواعد

۱۔ ہر عیسوی مہینہ کی ۲۰ تک شائع ہوگا۔

۲۔ سالانہ چندہ حسب ذیل

عوام	اور طلباء
۲ روپیہ	۱ روپیہ

والیان ملک ۱۱ کے چوں

امرا سے بلحاظ ان کی حیثیت

کے ۱۰ سے ۱۰۰ تک

۳۔ جواب کے لئے ٹکٹ آنا چاہیے

۴۔ ہر اسلب میں نمبر خریداری ضرور لکھئے

۵۔ سیاسی - مذہبی - دل آزار مضامین شائع نہ ہوں گے

۶۔ اسکے اجرائی کا مقصد وحیدہ ملک میں لٹریچر کا ذوق اور نئے اہل قلم کا پیدا کرنا ہوگا

۷۔ دلچسپ مضامین کے لئے معاوضہ بھی پیش کیا جائیگا

۸۔ مضامین صاف - اور کاغذ کے ایک جانب لکھے جائیں

۹۔ ۲۵ تک پرچہ نہ پہنچے تو دفتر کو اطلاع دیجائے۔

نرخ اشتہارات

	صفحہ	نصف صفحہ	¼ صفحہ
۱۔ ایک مہینہ	۱۰ روپیہ	۵ روپیہ ۸ آنہ	۳ روپیہ
۲۔ تین مہینہ	۲۵ ،،	۱۵ ،،	۸ ،،
۳۔ چھ مہینہ	۴۰ ،،	۳۰ ،،	۱۷ ،،
۴۔ سال	۹۰ ،،	۵۰ ،،	۳۰ ،،

نوٹ— پیرا ہ کوم صرف رعایت

کتابیں کے جواب نہ دینا

رکھیں اشتہارات کے نام

علیحدہ طے کئے جائیں۔

زر چندہ اور تمام مراسلت

بغیر ذیل پر ہونی چاہئے

محمد عبدالرزاق بسمل

بیرون دہلی دروازہ حیدرآباد دکن

مدیر
محمد عبد الرزاق بسمل

نشان سلسلہ	عنوان	نام مضمون نگار	نمبر صفحہ
	فہرست تصاویر		
	۱ — نواب سالار جنگ بہادر		
	۲ — لوزین کا منظر		
	۳ — اٹلی کا تھیٹر		
۱	نواب سالار جنگ بہادر	ادارہ —	الف و ب
۲	دکن کے مرثیوں کی ایک بیاض	جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ایم۔ اے۔ آر۔ ایس لندن	۱ ۲

۳	غزل	جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی	۱۳
۴	سناؤں تمہیں بات ایک آج کی	جناب سعید الدین احمد خانصاحب	۱۴
۵	امیر متکبر سے	جناب شبیر حسن خانصاحب جوش ملیح آبادی	۲۰
۶	ترکی میں بیداری نسواں	جناب بادشاہ حسن صاحب	۲۱
۷	قطعات	مولانا امجد	۳۰
۸	قوس قزح	محمد عبد الرزاق بسمل	۳۱
۹	غزل	جناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز	۳۵
۱۰	زوج من عود خیر من قعود	جناب سید غلام حسین صاحب آفاق ہاشمی	۳۶
۱۱	شاعر فلسفی سے	جناب علی اختر صاحب اختر	۴۲
۱۲	دیواری چہرہ	جناب سید محمد ہادی صاحب جعفری	۴۴
۱۳	غزل	جناب سید شرف الدین صاحب ساقی	۴۸
۱۴	مکتوبات جمیل		۴۹
۱۵	نعت	جناب کپٹن محمد اعجاز علی صاحب شہرت	۵۱
۱۶	بولتی تصویر	جناب مرزا سلیم بیگ صاحب	۵۲
۱۷	تاثرات	جناب میر رضا علی صاحب ارمان تحصیلدار	۵۸
۱۸	غزل	جناب حکیم بہبود علیصاحب صفی اورنگ آبادی	۵۹
۱۹	زندگی ایک قہقہہ نہیں	جناب "ج" صاحبہ نقوی	۶۰
۲۰	رباعی	جناب ممتاز رفیع بیگم صاحبہ بھوپال	۶۱
۲۱	سلام	جناب مہدی علی صاحب شہید	۶۲
۲۲	گذارش واقعی	ادارہ	۶۴

برقی پریس رہبر دکن میں چھپکر بیرون دبیرپورہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا

پیکر فہم و فراست

(نواب سالار جنگ بہادر)

یوسف علیخاں نام سالار جنگ بہادر خطاب ۔ لائق علی خاں مرحوم کے بیٹے اور مختار الملک سالار جنگ اول کے پوتے ۔ مال و متاع اور جاگیر و منصب کے علاوہ فہم و فراست بھی ورثہ میں ملی ۔ اُس خاندان کے چشم و چراغ ہیں ۔ جسکا تدبر زبان زد خاص و عام اور جسکی ذکاوت مشہور خلایق ہے ۔

گہوارۂ عشرت میں آنکھیں کھولیں لیکن علم و ادب کا چسکا گھٹی میں پڑ چکا تھا ۔ مستند اہل علم کی صحبت میں اُٹھتے بیٹھتے رہے اور جب سن شعور کو پہونچے تو مدرسۂ عالیہ میں جس بانی خود آپ کے جد امجد تھے اور جو آپ کا بجا طور پر خاندانی مدرسہ تھا تعلیم پائی ۔ عربی و فارسی کے علاوہ انگریزی پر عبور حاصل کیا تو خاندانی فہم و فراست کے ساتھ ساتھ جوہر ذاتی بھی چمک اُٹھا اور اسکی جگمگ جگمگ کرنے والی ضیا پاش کرنوں نے دکن کے گوشہ گوشہ کو منور کر دیا ۔ قدر شناس اور دور بین نظروں نے فوراً ہی تاڑ لیا کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں آپ وزیر اعظم مقرر ہوے ۔ یہ خدمت موروثی تھی اور آپ نے سالار جنگ اول کے نقش قدم پر چلکر ثابت کر دیا کہ آپ حقیقی معنوں میں وزیر با تدبیر ہیں ۔ اسپر نواب عماد الملک جیسے تجربہ کار فرد کے مشورے سونے پر سہاگہ تھے ۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر خدمت وزارت سے سبکدوش ہوے اور قلمدان وزارت
آپ کے قبضہ میں آیا شاعر نے مصرع تاریخ کہا

ع زلیخا بن کے دیوانی مرے یوسف کے گھر آئی

(وزیر اعظم کو دیوان بھی کہا جاتا تھا اور اسی رعایت سے دیوانی کہا گیا جسمیں حد درجہ لفظی رعایت ہے)

پورے دو سال تک آپ نے اس اہم خدمت کے ذمہ دارانہ امور انجام دئے۔ بالاخر
خرابی صحت کی وجہ آپ نے سبکدوشی حاصل کی۔ اسکے بعد آج تک آپ نے کوئی سرکاری
خدمت نہیں کی لیکن بیشمار خدمات رفاہ عام اور پبلک کی خاطر اپنے سر اور دوش پر لئے
جاگیرداروں کی کمیٹی کے آپ صدر ہیں بعض کارگزار جاگیرداروں کی کاوشوں نے آپکی غیر معمولی اور
شخصی دلچسپی کا ساتھ دیا اور اب بفضلہ آپ اس کمیٹی کی شمع ہدایت ہیں۔

آپکے اسٹیٹ کا رقبہ پٹیالہ کے اسٹیٹ کے برابر ہے آپکا اسٹیٹ کا محاصل تقریباً ۱۲ لاکھ سالانہ
ہے۔ زروجواہر اور اس جاگیر کے علاوہ بیشمار کمپنیوں میں آپ کے حصص ہیں۔ خاندانی اعزاز اور سالانہ
آمدنی کا لحاظ کرتے ہوے آپ کا شمار ہندوستان کے متمول ترین ہستیوں میں ہوتا ہے۔ باوجود
امارت و ثروت کے آپ کے اخلاق و عادات نہایت شائستہ اور حد درجہ پسندیدہ۔ خوش رو ہونیکے
علاوہ خوش گفتار بھی ہیں۔ آپ کی گفتگو دلچسپ اور پر مغز ہوتی ہے۔ طرز کلام میں ایک خاص
کشش ہے جسکی وجہ سے مخاطب کا دل آپ کی طرف کھنچا جاتا ہے۔ گفتگو میں بے ساختہ پن اور
بے تکلفی ہے۔ اخباری دنیا سے باخبر ہونیکی وجہ سے انقلابات حاضرہ سے بہت اچھی طرح واقف ہیں
غالباً آپ "سفر وسیلۂ ظفر" کے پرانے مقولے کے قائل ہیں کیونکہ ہمیشہ پا بہ رکاب نظر آتے
ہیں۔ یورپ کا دو مرتبہ سفر کیا۔ اور ایران۔ دمشق۔ شام اور بیت المقدس بھی حال ہی میں ہوآئے۔
پرانی چیزوں کا بڑا شوق ہے۔ دوران سفر میں آپ نے تاریخی اشیاء کا بڑا خیال رکھا اور
جہاں بھی جن داموں بھی ہاتھ لگے خرید کیا۔ باہر سے خریدنے کے علاوہ اب بھی شہر میں کوئی دن
ایسا نہ جاتا ہوگا کہ کوئی نہ کوئی تصویر۔ قلمی کتاب۔ ظرف یا اسی قسم کی چیز آپ خرید نہ کرتے
ہوں۔ اسی سبب سے آپ کا محل اچھی خاصی نمائش گاہ معلوم ہوتا ہے۔ کتب خانہ یوں تو
ہزاروں کتابوں سے بھرا پڑا ہے لیکن بعض ایسے قلمی نسخے ہیں جو انڈیا آفس یا برٹش میوزیم میں
بھی نہیں پائے جاتے۔ تصاویر سے آپ کو بڑی دلچسپی ہے۔ انگریزی۔ اطالوی۔ جرمنی۔ ایرانی
مغلی غرض کوئی آرٹ ایسا نہیں جسکے بہترین نمونے آپ کے ہاں نہوں۔ ان سب کے علاوہ آپکو

مجسمے جمع کرنیکا بڑا شوق ہے ۔ خصوصاً یورپ سے اتنے مجسمے لائے ہیں کہ کوٹھی بھری پڑی ہے ۔ مجسموں سے محبت آپکی فطرت ثانی ہوگئی ہے کہا جاتا ہے کہ آپکی پیدائش کے موقع پر حضور غفران مکان نے چند کمیاب تپلیاں آپکے ہاں تحفتاً بھیجی تھیں ۔ ان تپلیوں کا شوق بچپن سے بڑھتا بڑھتا اب بہترین مجسمے جمع کرنیکی حد تک پہنچ گیا ۔

آپ کو اکثر کھیلوں سے بھی دلچسپی ہے ۔ خصوصاً پولو تو خود بھی اچھا کھیلتے ہیں اور ایک ٹیم بھی اپنے نام سے بنا رکھی ہے جسمیں حیدرآباد کے بہترین کھلاڑی شریک ہیں ۔ حیدرآباد کے تمام ٹورنمنٹ میں آپکی ٹیم شریک ہوتی ہے اور باہر بھی اکثر مقامات جاکر کھیلتی ہے لیکن کسی ٹورنمنٹ وغیرہ میں آپ خود نہیں کھیلتے ۔ کرکٹ ٹینس وغیرہ خود تو نہیں کھیلتے لیکن کھیلنے والونکی ہمت ضرور بڑھاتے ہیں ۔ خصوصاً اکثر کالجوں کو آپ نے شیلڈ اور کپ وغیرہ عطا کئے ہیں ۔ مثلاً نظام کالج میں ہر سال کرکٹ کا انٹر کالج سالار جنگ ٹورنمنٹ ہوتا ہے اور فزیکل ٹریننگ کالج کی جانب سے ہر سال انٹر کالج سالار جنگ ٹینس ٹورنمنٹ ہوا کرتا ہے ۔

سکندرآباد کلب کے آپ بہت بڑے معاون ہیں اور سرگرم ممبر بھی ۔ آپکو سوسائٹی کا بیحد خیال ہے ۔ حیدرآباد کی اکثر سوسائٹیاں اور بہت سے کلب آپکی مالی امداد کے رہین منت ہیں آپکی نظر میں ہندو مسلم ۔ انگریز ۔ پارسی سب ایک ہیں اور آپکی آنکھوں پر کبھی تعصب کی عینک نہیں دکھائی دیتی ۔ آپ سب کی سرپرستی فرماتے ہیں اور سب کی دامے ۔ درمے مدد کی ہے علمی ادارہ میں آپ سب سے زیادہ علیگڑھ کالج کی اعانت فرماتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ اوسکو اپنا کالج سمجھتے ہیں ۔ علم و ادب نوازی کے علاوہ عمارات کا بھی شوق ہے یوں تو آپکی اکثر و بیشتر عمارتیں بلحاظ آرائش و زیبائش مشہور ہیں لیکن "بارہ دری" جو عرف عام میں "لکڑکوٹ" سے معنون ہے ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اسکی تیاریوں میں نہایت اہتمام کیا گیا تھا ۔ لکڑی میں جو نقش و نگار کئے گئے ہیں وہ صناع کے فن کی داد چاہتے ہیں ۔ یہ عمارت نواب سرسالار جنگ اولی کے زمانہ میں تیار ہوئی ۔ عمارت تیار ہو رہی تھی کہ شعرا کو جنمیں سرسالار جنگ اولی کے بذل و نوال کا علم تھا اس سعی میں مصروف تھے کہ بہتر سے بہتر تاریخی قصائد لکھیں ۔ ذکا مرحوم نے جو آپکے دربار کے ایک باکمال شاعر تھے جو ہر وقت بغلی میں رہتے تھے مثنوی لکھی ہے ۔

ہم چاہتے ہیں کہ ذیل میں وہ مکمل مثنوی پیش کریں جسکے صلہ میں نواب صاحب مرحوم نے خلعت دوشالہ سے شاعر کی عزت افزائی کی تھی ۔ اور اب بھی حیدرآبادی افراد کے زبانو سنئے اشعار سننے میں آتے ہیں

مثنوی در صفت بارہ دری

ساقیا ٹھنڈا کر کے شورے میں ؛ پھول دے پھول کے کٹورے میں۔

مجھے عیش و فراغ کی سوجھی ؛ یعنے تعریف باغ کی سوجھی۔

سو دو زیر دکن کا باغ ہے یہ ؛ واقعی عرصۂ فراغ ہے یہ

چشم نرگس کا یہ اشارہ ہے ؛ قابل دید بس یہی جا ہے۔

گر ہوا یاں کے دشت میں چلتی ؛ شاخ آہو بھی پھولتی پھلتی۔

تازگی کا کمال دیکھ لیا ؛ ہر شجر کو نہال دیکھ لیا۔

سبزہ اس طرح لہلہاتا ہے ؛ کہ زمرد بھی زہر کھاتا ہے

دیکھنے کشمیر ہوئے گریاں گے ؛ منہہ کو آنچل سے شال کے ڈھانکے۔

کچھ زمین کا اثر تماشا ہے ؛ نامیہ جس کا نام لیوا ہے۔

یوں تو سبزی بھی جا بجا اوگے ؛ موتی بو دیں تو موتیا اوگے۔

بنتے اس خاک سے اگر آدم ؛ خضر ہو جاتے سر بسر آدم۔

حسن اس باغ کا قیامت ہے ؛ خار تک بھی مژہ کی صورت ہے۔

تازہ روی پہ صحن خرم کی ؛ ٹپکے پڑتی ہے رال شبنم کی۔

ہے صفائی میں سڑکوں کے یہ ڈھنگ ؛ لنگ ہووے جسے یہ شوق شلنگ

عقل کے پاؤں یاں پھسل جائیں ؛ آدمی کیا فرشتے چل جائیں۔

نہر میں اس کے ہاتھ جو ڈالے ؛ نام کوثر سے منہہ کو دھو ڈالے

انہیں اور اوسمیں فرق کیا ہو کہیں ؛ آب حیواں میں سینگ دم تو نہیں۔

قد بالا جو نار جبیل کا ہے ؛ سو عصا دست جبرئیل کا ہے

سیب نظروں میں اونکے گر پھر جائے ؛ ذقن حور چاہ میں گر جائے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی جو ہے ہوا آتی ؛ صاف نرگس ہے نیند کی ماتی

باغبانوں کی اچھی قسمت ہے ؛ جیتے جی اونکو سیر جنت ہے

سیر گر یاں کی دیکھ لیں اوستاد ؛ وہی شاگردوں سے کریں ارشاد

سعدی کی شیخی پہ نظر نہ کرو ؛ اب گلستاں کو طاق میں رکھو

گر خزاں حد سے بھی جو بڑھ کر آئے ؛ باد کے گھوڑے پر بھی چڑھ کر آئے

رنگ تو کیا اڑا سکے گل کا ؛ بال ٹیڑھا کرے نہ سنبل کا

آگ ہو کر جلائے گا ہر گل ؛ ناگ بن بن کے کاٹے گا سنبل

آپ کو اس جگہ جو پاتے ہیں ؛ پھول پھولے نہیں سماتے ہیں

پتے کھڑکے تو یہ صدا نکلے ؛ وہ صدا کیا ہے یہ دعا نکلے

کہ رہے اوسکی مرتبت عالی ؛ جس نے اس باغ کی بنا ڈالی

دکن کے مرثیوں کی ایک بیاض

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ایم۔ آر۔ ایس لندن

اب یہ مسلمہ امر ہے کہ زمانہ سابق میں مرثیوں کا دکن میں بڑا رواج تھا۔ عام شعرا کے قطع نظر ایک خاص گروہ مرثیہ گو کا بھی ہوتا تھا جو مرثیہ کے سوا کسی اور صنف میں طبع آزمائی نہیں کرتا تھا۔ یہہ مرثئے مجلس عزا میں پڑھنے کے لئے اکثر بیاضوں میں جمع کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے متعدد بیاض کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

ہم نے اپنے ایک مضمون میں صراحت کی ہے کہ ہمارے خاندان میں اس قسم کے متعدد بیاض موجود ہیں جن میں بیسوں شعرا کے مرثئے ہیں۔ ایک بیاض[1] سے قطب شاہی اور مغلیہ[2] دور وغیرہ کے بعض مرثیہ گو کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اور "شہاب" کے ایک گزشتہ نمبر میں مرزا کے مرثئے پیش کئے گئے ہیں۔ آج ہم اس بیاض کے دیگر مرثیہ گو کا

---

[1] یہ بیاض ہمارے بزرگ مولوی صفی الدین صاحب مرحوم کے کتب خانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم کو مولوی مرتضی مرحوم کے قابل فرزند محمد غوث یم۔ اے۔ یل یل بی ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ کی توسط سے حاصل ہوئی ہے۔

[2] دکھنی مرثیوں کے متعلق ہمارا ایک مضمون ادبی دنیا لاہور کے چار نمبروں میں شائع ہوا ہے۔ (جون ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء جنوری، فبروری سنہ ۱۹۳۱ء)

تعارف کراتے ہیں۔
زیر بحث بیاض میں (۴۱) شعرا کے (۱۰۴) مرثئے ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے:-

شمار	تخلص	تعداد مرثیہ	تعداد اشعار
۱	احمد	ایک مرثیہ	۸
۲	اکبر	دو	۴۵
۳	اسد	ایک	۲۵
۴	اخیر آئی	ایک	۱۰
۵	باقر	ایک	۱۰
۶	تقی	ایک	۱۱
۷	جوہر	ایک	۲۹
۸	حسن	چھ	۶۲
۹	حمیدی	ایک	۱۳
۱۰	دیوان	پانچ	۵۱
۱۱	داس	ایک	۹
۱۲	روحی	ایک	۱۱
۱۳	سری	ایک	۱۳
۱۴	شرف النساء	ایک	۸
۱۵	شاہی	ایک	۵
۱۶	شفق	ایک	۱۲
۱۷	صادق	دو	۴۰
۱۸	طاہر	ایک	۱۳
۱۹	عبداللہ قطب شاہ	ایک	۲۰
۲۰	علی رضا	ایک	۱۲
۲۱	عشق	تین	۶۱
۲۲	عاصی	ایک	۱۳
۲۳	عادل علی	ایک	۱۳
۲۴	غواصی	دو	۱۹
۲۵	غمگین	ایک	۱۱
۲۶	قربان علی	دو	۵۵
۲۷	قادر	پانچ	۵۷
۲۸	قمر	ایک	۹
۲۹	کامل	ایک	۱۷
۳۰	لطیف	ایک	۲۵
۳۱	معصوم	ایک	۱۲
۳۲	محب	دو	۴۳
۳۳	مظہر	ایک	۲۵
۳۴	مبتلا	ایک	۱۱
۳۵	مخدوم	ایک	۱۱
۳۶	مقتدا احمد	ایک	۱۲
۳۷	ندیم	ایک	۱۸
۳۸	ندا	دو	۲۶
۳۹	وجہی	ایک	۱۰
۴۰	ہیتم احمد	،،	۴۱
۴۱	نامعلوم	چار	۷۸

اس کے علاوہ مرزا کے (۳۵) مرثئے ہیں جن کا ذکر علحدہ مضمون میں کیا گیا ہے۔
یہ شعرا مختلف زمانوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً وجہی۔ غواصی۔ لطیف اور شاہی

قطب شاہی عہد کے شعرا میں نوروجی۔ بنیم احمد اور قادر وغیرہ متعلیہ دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ایک بڑا حصہ ایسے شعرا کا بھی ہے جن کے صحیح زمانہ سے ہم واقف نہیں۔ تیقن کے ساتھ ان کا زمانہ تعین نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان کے کلام اور اسلوب وغیرہ کے مدنظر کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے مگر یہ امر خاص طور سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان شعرا کا زمانہ ۱۲۰۵ھ کے پہلے کا ہے کیونکہ اس بیاض میں جس قدر کلام جمع کیا گیا ہے وہ اس سنہ کے پہلے کا ہے۔

ذیل میں بلا لحاظ زمانہ ردیف وار ان کو پیش کیا جاتا ہے مگر ان شعرا[1] کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن کے متعلق کسی سابقہ مضمون میں صراحت کر دی گئی ہے۔

احمد احمد تخلص دکن میں متعدد شاعر مختلف زمانہ میں ہوئے ہیں۔ زیر بحث احمد دور آصفیہ کا شاعر ہے احمد بیگ نام اور احمد تخلص تھا حیدرآباد کا باشندہ ہے۔ بقول فتوت امیر الامرا کا رشتہ دار تھا۔ (تذکرہ فتوت)

شاہ رسول[2] کا دیکھو تاراج گھر ہوا ہے
اس درد سوں نبی کا پر خون جگر ہوا ہے

. . . .

جلتے ہیں دل جگ تک دلتی ہیں بند نین سوں
احمد تیرا سخن یو ہر دل اثر ہوا ہے

اکبر اس کے متعلق کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی کی بیاض میں بھی اس کا ایک مرثیہ موجود ہے۔ (یورپ میں دکھنی مخطوطات)

"اے سرور انبیا سو تمارا حسین ہے
"غربت میں جا پڑیا سو تمارا حسین ہے"
"تنہا غریب بےکس و بے مونس و رفیق"
"نین کوئی بجز خدا سو تمارا حسین ہے"

. . . .

"اکبر کے دو بچن کوں فصاحت دے سرفراز"
"دو جگ منے کیا سو تمارا حسین ہے"

اسد اسد الدین نام اسد تخلص۔ محمد علاؤالدین خطیب مسجد میلاپور

---

[1] جن شعرا کے متعلق سابق میں صراحت کر دی گئی ہے وہ یہ ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ، وجہی، غواصی شاہی۔ لطیف۔ روحی۔ متیم احمد۔ قادر۔ شرف النساء

[2] ہمارا اصول یہ ہے کہ اشعار کا نہ نقل کئے جائیں تاکہ اصل مخطوطہ کی حالت کا نہ واضح ہو جائے اسلئے اکثر جگہ مصرعوں وغیرہ میں غلطیاں نظر آئینگی۔

(مدراس) کا رہنے والا تھا۔ ۱۱۲۲ھ میں تولد ہوا۔ ابتدا ہی سے مشق سخن حاصل کیا۔ عمدۃ الامرا (۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ) رئیس ارکاٹ کے زمانہ میں ان کے سکریٹری کے فرائض بجالاتا تھا۔ خانی وبہادری کا خطاب بھی ملا تھا۔ عمدۃ الامرا کے بعد خانہ نشین ہوگیا ۱۲۳۴ھ میں انتقال ہوا۔
(گلزار اعظم)

"رسول پروردگار جنت میں غم زادہ ہو مدام روئے"
"تماں نے غمگین ہو کر عالم جگت کے سب خاص و عام روئے"
"علی علیہ السلام گر بادشاہ دین کوں پکار روئے"
"ملک سو ساتوں فلک کے سارے سینے مار مار روئے"

. . . .

"اسد یوسے لطف کی نظر تو نذر لیجانے کوں شہ ر تکیے"
"رنجو کے گوہر جمع کیا ہے یو غم ستے زار زار روکے"

اختراعی اس تخلص کے ایک شاعر کا ذکر مصنف گلزار اعظم نے کیا ہے جسکا نام محترم خاں تھا اور عالمگیر کے زمانہ میں موجود تھا۔ نہیں معلوم زیر بحث مرثیہ اسی کا ہے یا زمانہ مابعد کے کسی اور شاعر کا۔

"جب تے ہوا ہے غوغا ماتم کا تر یہوں میں"
"رو رو کو رات دن منجہ پھولے پڑے نین میں"
"تشنہ گشت جس رن میں شہ کے میری نکلتی"
"منجہ آہ کے ہوایاں چڑیاں ہے نت گگن میں"
"رو رو کو سوز تن تے کالیا ہے اختراعی"
"تو شمع شاہ روشن دو جگ کی انجمن میں"

باقر اس کے متعلق کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

"چاندماتم سوں خم گگن میں ہے"
"غم سوں دل چاک گل چمن میں ہے"
"شمع پر سوز ہر بجن میں ہے"
"عیش پروانہ ہر رین میں ہے"

. . . .

"جگ میں فرزند علی کے غم ہا یہ"
"حیف باقر علی کے من میں ہے"

نقی اس دکھنی شاعر کے تعلق اگرچہ کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ دکھنی تھا۔ اڈنبرہ کی بیاض میں بھی اس کا ایک مرثیہ ہے اسکے اسلوب بیان کے لحاظ سے ہمارے ایک معترض اسکو شمالی ہند کا مرثیہ گو قرار دیتے ہیں حالانکہ یہہ صحیح نہیں ہے اگر کسی شاعر کا کلام شمالی اردو کی نہج پر ہو تو اسکو شمالی ہند کا شاعر قرار دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔ ایسے متعدد دکھنی شعرا ہیں جن کا کلام شمالی اردو کی نہج پر ہے۔ نقی کے دکھنی ہونیکا

ثبوت یہی کافی ہے کہ جن بیاضوں میں اسکا کلام دستیاب ہوا ہے ان میں شمالی ہند کے کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تمام تر دکھنی شعرا کے مرثئے جمع کئے گئے ہیں۔

"حسین سرور بدل یاران محرم جگ میں آیا ہے"
"محبان کے دلان کوں سب غم کا لگایا ہے"

. . . .

"بیدار دو خشم کھو کر حسد سب حرص سب دھو کر"
"تغنی یکرنگ غلام ہو کر محب شاہ کو گویا ہے"

جوہر — قادر حسین نام اور جوہر تخلص۔ شیخ داؤد ملک التجار تاگوری کا فرزند تھا۔ سنہ ۱۲۳۳ھ میں ناگور میں تولد ہوا۔ مدراس میں تحصیل علم کیا نواب غلام محمد غوث خاں مصنف گلزار اعظم کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ وفات کا سنہ معلوم نہیں۔ (گلزار اعظم)

"اس غم کی زخم کوں جو قضا لاکو لکھایا"
"دو جگ کوں قدرا کو اگن سات جلایا"

. . . .

"جوہر کے اوپر چتر شہنشاہ کے قدم کا"
"یارب اچھو تا روز قیامت لگوں سایا"

حسن — حسن تخلص دکن کا ایک مشہور شاعر گزرا ہے مگر غالباً زیر بحث حسن وہ مشہور و معروف حسن نہیں ہے جسکا ذکر اکثر تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ بلکہ یہ حسن ارکاٹ کا شاعر ہے جس کا نام محمد حسن علی خاں تھا۔ یہ سنہ ۱۲۳۲ھ میں مدراس میں کمپنی انگریزی کی جانب سے مدراس مقرر ہوا تھا۔ سنہ ۱۲۷۰ھ میں اسکا انتقال ہوا۔ (گلزار اعظم)

"یاراں کرو لو غم سدا کرنا فرض ہمنا یو ہے"
"کرنا کر نیکے تو جھا مرنا فرض ہمنا یو ہے"

. . . .

"اے شہنشاہ شیر تر سارے جہاں پر جوا چھتر"
"کرنا حسن پر یک نظر اتنا فرض تمنا یو ہے"

حمیدی — اس کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے۔

"کیوں ہوا ماتم تیرا غم یا علی"
"اس دکھوں روتا ہے عالم یا علی"

. . . .

"ہے حمیدی شاہ کا امیدوار"
"دے مرادیں قبلہ عالم یا علی"

دیوان — زین العابدین خاں نام اور دیوان تخلص۔ علی دوست خاں ناظم صوبہ دار ارکاٹ کا داماد تھا۔ اور

اپنے زمانہ کا اچھا شاعر شمار ہوتا تھا۔
(گلزار اعظم)

"کیا کربلا میں آل عبا پر ستم ہوا"
"جب او امام ہر دو سرا پر الم ہوا"
"آل رسول حق پہ تظلم کا حال دیکھ
"ہر شئے کے دل سوں عیش یکتم عدم ہوا"

. . . .

"افسوس کیا کہ غم سوں کہے رو کہ زار زار"
"دیوان ترا شہاب کا پورا نہ ختم ہوا"

داس | اس کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اس کا مرثیہ موجود ہے۔

"مارے ہیں ظالماں نے نبی کے رتن کوں آج"
"گھائل کئے ہیں رہ رہیاں ان بیارکند یک کوں آج"
"لہو سنے نہلائے سوا اس گلبدن کوں آج"
"ویران کر ظلم سے ان کے وطن کوں آج"

. . . .

"مظلوم ہو جدا سوں کیا ہے ادشہ سوار"
"شہ کے دکھوں یو داس کئے چشم اشکبار"
"روتا ہے یوں دریغ سنتے زار زار زار"
"مارے میں ظالماں نے نبی کے رتن کوں آج"

سری | اس کا ذکر بھی کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ بھی موجود ہے۔

"گریاں ہے جو شہ کے بدل و داخل الجنت ہوا"
"سرور کہے اس کا مکاں جنت میں یا عدن ہوا"

. . . .

"سری جفا ہور یو بلا سو شہ پر تا آیا"
"ہے ہات میں ملسوف یوں ترا لکست ہوا"

شفق | اس کا ذکر بھی کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔

"اب ہوا روز سے قیامت یا رسول"
"دھل پڑیا نجت امت یا رسول"

. . . .

"تیرن شفق کنے ملک اس درد سوں"
"لہو سنے دیدے ہمارے یا رسول"

صادق | محمد صادق خاں نام اور صادق تخلص ملا احمد بیجاپوری کا نواسہ قلعہ ماہور کا قلعہ دار تھا۔
(گلزار اعظم)

"وہ کیا گھڑی گر آج پھر غوغا اٹھا عاشور کا"
"اس دکھ سے گلتا ہے چند رجلتا ہے تپا سور کا"
"غمگین ہو صادق اس دکھوں انکھیاں نے نچوڑ دل کر"
"رو رو کیا ہے مرثیہ اس قصہ مشہور کا"

طاہر | کسی تذکرہ میں اسکا ذکر نہیں ہے۔

"قتل سرور ہے آج واویلا"
" روز محشر ہے آج واویلا"
"اہل بیت رسول سراو پر
" خاک افسر ہے آج واویلا"

. . . .

"طاہر اس غم سوں جبرئیل امین
" خاک بر سر ہے آج واویلا"

علی رضا اس شاعر کے متعلق بھی کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

"لایا ہے چاند جگ منے ماتم حسین کا
" ہر ایک سینے میں آگو بر یا غم حسین کا"
"ہر یک نبی پو جور جفا مور ستم ہوا
" واقعہ نہیں کسی نے کسنیا کم حسین کا"

. . . .

"راضی علی رضا سوں . . . . شاہ اولیا
" یکدل سوں مانتا ہے . حسین کا"

عشق اس تخلص سے دکن میں دو شاعر ہوے ہیں ایک کا تعلق اورنگ آباد سے تھا اور دوسرا ارکاٹ کا باشندہ تھا۔

اول الذکر مرزا جمال اللہ ہے جو اورنگ آباد کے مشہور شاعر مرزا داود کا لڑکا شاہ شامی کا شاگرد تھا۔ اول احسن تخلص کرتا تھا اسکے بعد سید عبدالولی عزلت کی شاگردی کی اور عشق تخلص قرار دیا شفیق سے بڑی دوستی تھی۔ فتوت اور شفیق نے اس کا ذکر اپنے تذکروں میں کیا ہے۔

ثانی الذکر عشق حکیم عبدالباسط نام اور عشق تخلص محمد مہدی واقف کا لڑکا تھا ۱۲۳۵ھ میں تولد ہوا۔ مرنے کا سنہ معلوم نہیں۔ مصنف تذکرہ گلزار اعظم نے اس کا ذکر کیا ہے نہیں معلوم زیر بحث مرثیے کس کے ہیں ممکن ہے کسی کی آئندہ تحقیق اسکا صحیح تصفیہ کر دے۔

"کیونکر نبی کے جیو کے پیارے حسین کوں"
" تمام . . . . سوں مارے حسین کوں"
"تھے باخبر حسین کے احوال سوں نبی"
" جسو تقسیہ پائے تھے جو گنوارے حسین کوں"

. . . .

"عشق . . کیوں اچھے دل کا قرار تمام"
" پیارے نبی کے جیو کے پیارے حسین کوں"

عاصی اس تخلص کے بھی دکن میں دو شاعر ہوے ہیں ایک تو نور محمد عاصی جو برہان پور کا باشندہ تھا دوسرا انوارالدین محمد خاں جو ارکاٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکو محمد علی خاں والاجاہ کے دربار سے تعلق تھا۔ نہیں معلوم زیر بحث مرثیاں دونوں سے کس کا ہے۔

محرم کا چیند آیا شہنشاہاں کا دوکھ دکھانے کوں
محباں کے جگر میں فلک خنجر لگانے کوں

"حشر کے دن مج عاصی پر کرنا کرم حسین سرور"
"کیا ہوں مدحہ غم سوں میں جنت کا در کھولانے کوں"

غمگین کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں بھی اس کا مرثیہ موجود ہے۔

"یو چیند لیا ہے جگ پر غم کا سامان یا حسین"
"تب سوں ہے اس غم سنے خم ہفت آسمان یا حسین"
"عرش کرسی آسمان لوح ہور قلم اس دوکھ سے"
"ہے یوں پانی سنجر اس غم میں لرزاں یا حسین"

"یو شفیع روز محشر شاد غمگیں کوں کرو"
"ہے حسین ابن علی پر دل سوں قربان یا حسین"

قربان علی کسی تذکرہ میں اسکا ذکر نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے۔

"مصنف ذکر مردان کا کیا ہے بول بسم اللہ"
"صفت یوسف شہیداں کا کیا ہے بول بسم اللہ"
"شہ حیدر صف ان میں جو آیا بول بسم اللہ"
"جنے افواج ملعون کی کھپایا بول بسم اللہ"

. . . .

"جہنم قربان علی کوں جلایا کر کو گریاں سوں"
"بیاں یوں سب محباں کوں سنایا بول بسم اللہ"

قمر اس تخلص کے ایک شاعر کا ذکر نثوت نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے جو اورنگ آباد کا رہنے والا اور مرزا محمد بیگ کا شاگرد تھا۔

"اے سرور ہر دو جہاں للہ للہ یا علی"
"اے رہنمائے گمرہاں للہ للہ یا علی"

"بند صدق سوں اپنے کمر بندکیں ہے صادق قمر"
"بولے سدا شام و سحر للہ للہ یا علی"

کامل برہان پور کا مشہور مرثیہ گو تھا۔ سوائے مرثیہ کے کسی اور صنف میں طبع آزمائی نہیں کی۔ حمید نے تعریف کے ساتھ اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔

"آج روتا ہے ابوالحسن قاسم"
"کیوں لہو میں تم کفن قاسم"
"حیف تجکوں کئے دفن قاسم"
"کیوں کئے کربلا وطن قاسم"

. . . .

"ہے عبا کے یو دل میں جسم ماتم"
"ہائے کامل ہے . . . قاسم"

معصوم کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے ۔

"اس رات کوں یو نہلکر کیا بنگ آئی رے صبا"
" شہ کون شہید کرنے کتیں خبر لائی رے صبا"
"جب اے صبا چمنے چمن غمگین ہوے پھول بن"
" نکرے ہو کلیاں آپ تن کیا بار لائی رے صبا"

. . . .

"بولیا معصوم دک کی میں دک بن نہ تھک سوتیں"
" یو دیک نے تھنے نین کیا دریائی رے صبا"

محب کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے ۔

"اے نور چشم مصطفےٰ کیوں جا بسایا کربلا"
"اے معجز آل عبا کیوں جا بسایا کربلا"

. . . .

" ہر دم محب تجہ یاد کر روتا ہے نت غم دل میں درد"
" بس کرم کی کر یک نظر کیوں جا بسایا کربلا"

مظہر اس دکہنی سلطہ کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ہے ۔

" محرم . . . . . . چاند آیا خدایا"
" جہان کوں پھر اس دک میں بایا خدایا"
"حسینا کے دک کی اگن لاکو سنگر"
جگت کے حیوان کوں جلایا خدایا

. . . .

"قیامت کے دن میں حسین کے قدم کا"
" تو رکھ سر پو مظہر کے سایا خدایا"

مبتلا الف خاں مبتلا اورنگ آبادی۔ شفیق نے تعریف کے ساتھ اس کا ذکر اپنے تذکرہ میں کیا ہے ۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے ۔

"غم سوں کملائے سب چمن کے گل"
" بلکہ جل گئے جو کہ حسن کے گل"
"حیف یاران او کیوں سکے کہ کھل"
" مصطفےٰ کے تھے انجمن کے گل"

. . . .

" مبتلا اس دوکھوں سوں رویا"
" ہوکو دستے یوں نین کے گل"

مخدوم کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے ۔ اسکی ایک مثنوی "نافرمان عورت" انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے ۔

"مرحبا اے ابن حیدر مرحبا"
" مرحبا آل محمد مرحبا"
"مرحبا اے نور چشم مرتضیٰ"
" مرحبا لوح پیغمبر مرحبا"

. . . .

" دکہ سوں مخدوم یو کیا رات دن"
" نت کرے شہ پر عزاں مرحبا"

مقتدا احمد | کسی تذکرہ میں اسکا ذکر نہیں ہے ہے۔

"خدا کے برگزیدوں کا کرو ماتم مسلمانان"
"نبی کے نوردیدوں کا کرو ماتم مسلمانان"

. . . .

"غلام مقتدا احمد سدا راہ محبت پر"
"دیکھو ماہ محرم میں تین پو . . . لگا تا ہے"

ندیم | شاہ ندیم اللہ قادری بیجاپوری۔ صاحب دل تھے شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی باقر آگاہ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں بھی آپ کے مرثیے موجود ہیں۔

"اے بالا حسین کے پیارے للو ہائے شاہ اصغر"
"ظالموں نے ظلم سوں مارے للو ہائے شاہ اصغر"

"تجے مار کر کے گھات لگی تیر تجکوں کس ہات
"اتنا کیا دغا تیرے سات للو ہائے شاہ اصغر"

. . . .

"لیا سو ندیم للو سے پانچ تو روتے رو"
"شہزادے پو دکہ گریا سو للو ہائے شاہ اصغر"

ندا | کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے۔

"محرم چاند قاصد ہو خبر مغرب سوں لایا ہے"
"طرف مشرق کے جلدی آکر خلقت کوں سب رولایا ہے"
"حسین کا غم یو مالی ہو نے آیا تخم ماتم کا"
"خوشی کے بن لوتا دیکر چمن غم کے لگایا ہے"

. . . .

"ندا ماتم کا جب میرے سینیا ہوں دل کے کانا سوں"
"ندا ہاں تے سو رسرور کا شیانے سینایا ہے"

حسن کاری

دکن کے مشہور حسن کار محمد عبد القیوم کی رہبری میں آرٹ ورکس
چھتہ بازار حیدرآباد دکن

غزل

جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی

لہریں دریائے ہستی کی حباب آنکو ہے
جو کوئی آنکو ہے یا در رکاب آنکو ہے

حسن کی آئینہ داری کو شباب آنکو ہے
زلف میں بل گیسوؤں میں پیچ و تاب آنکو ہے

مژدہ اے دل پھر ہوائے انقلاب آنکو ہے
دور گردوں ہو چکا دور شراب آنکو ہے

آنکھ میں تری مروت بھول کر آتی نہیں
شرم سو سو بار آنے کو حجاب آنکو ہے

کہہ دیا ہے فال بد منہ سے نہ او واعظ نکال
مجھ پہ رحمت اور تری مجھ پر عذاب آنکو ہے

جا چکی تاب و تواں بس اب ہے اتنا انتظار
زندگانی کی طرف سے بھی جواب آنکو ہے

پتلیاں ٹھہرا چلی ہیں کرتے کرتے انتظار
چارہ گر خوش ہیں کہ اب آنکھوں میں خواب آنکو ہے

دیکھئے کیا رنگ ہو محفل کا اہل مصر کی
ہاتھ میں چھریاں ہیں یوسف بے نقاب آنکو ہے

ہجر کی اک شب میں گھڑیاں بج چکی ہیں دو ہزار
اے فلک سمجھونگا میں اور حساب آنکو ہے

سونے والو وقت آخر ہو گیا اب تو اٹھو
لے کے آئینہ لب بام آفتاب آنکو ہے

شیشۂ توبہ نہ چھوٹے کشمکش میں ٹوٹ جائے
جھوم کر صحن گلستاں میں سحاب آنکو ہے

آ گئی عارض پہ سرخی ہر طرح سے ہے ستم
یا حجاب آنکو ہے یا اب عتاب آنکو ہے

خانۂ دل سے اٹھا میں اپنا بستر صبر و ہوش
اس سرا میں کاروان اضطراب آنکو ہے

جوش گل کی کشمکش میں آ گیا سبزہ کو غش
شیشۂ شبنم میں کھینچ کھینچ کر گلاب آنکو ہے

نظم دیکھیں مصطفیٰ کا جانشیں ہوتا ہے کون
عرش سے مسجد میں حکم سد باب آنکو ہے

اے اللہ توبہ ہے۔ ایسی حالت خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ نہ بھابی جان آپ سوئیں اور نہ دوسرے کو سونے دیا خدا بھلا کرے بی اللہ بندی کا کہ ساری آگ انہیں کی لگائی ہوئی تھی۔ اور پھر مزہ دیکھئے کہ بھس میں چنگاری ڈال جمالو دور کھڑی۔ خود کوٹھے پر جا ایسی لمبی تانی کہ صبح تک کروٹ ہی نہ لی۔

بات یہ ہوئی کہ بھائی حامد تو گئے ایک دوست کے ہاں دعوت میں اور ہم گئے سینما۔ گرمیوں کا زمانہ تھا۔ اور انگنائی میں سب کے پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ بھابی جان کچھ دیر تو پڑی بستر پر لوٹا کیں مگر طبیعت جو گھبرائی تو سارے گھر بار کو لے ہو بیٹھیں۔ شروع شروع تو ادھر اُدھر کے قصے ہوا کئے کہ نوآبادی ایسی ہیں اور بی حسرت زمانی ویسی۔ ہاں مولی گرد بیٹھے ہاں میں ہاں ملائے چلے جا رہے تھے۔ جب اس سے نیت بھر گئی تو کہانیوں پر نوبت آئی۔ ایک کہانی میں کہیں شیطان علیہ العنت کا ذکر آ گیا بس پھر کیا تھا بی اللہ بندی لے اڑیں سب کو اور وہ وہ زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کئے کہ توبہ بھلی۔ اوّل اوّل تو بھابی جان کو ڈر لگا اور کریمانے بھی تنک کر کہا "اے ہے۔ خالہ تمکو تو موئے جنوں بھوتوں کے قصوں کے سوا کچھ آتا ہی نہیں۔ ہمارے پڑوس میں یوں ہوا تھا اور مفتی صاحب نے یوں جن

شیشہ میں اُتارا۔ چلو بس چپ رہو۔ رات کا
وقت ہے"۔ مگر وہ بھلا چپ رہنے والے
تھیں۔ اجی چپ رہے اُنکی بلا۔ اور
اِدھر اس بدبخت کے نام میں بھی کچھ ایسا
سحر ہے کہ ڈرے جائینگے۔ مرے جا نکلے
گر پینگے ضرور۔ غرض جناب ہمارے آنے تک
بی اللہ بندی نے بیسیوں ہی تو قصے سنا ڈالے۔
اِدھر تو ہم نے بسم اللہ کہکر ڈیوڑھی میں
قدم رکھا اور اُدھر سب نے ملکر زور سے
زور سے چیخیں مارنی شروع کیں۔ بھابی جان
جو ہڑبڑا کر آنچل سنبھالتے اٹھیں تو دوپٹہ میں
پیر اُلجھا اور دھم سے پلنگ کے نیچے۔
اور گلشن پکارے "دُہائی ہے حضرت
سلیمان کی۔ دُہائی ہے حضرت سلیمان کی"
ہماری سمجھ میں خاک نہ آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے
جہاں تھے وہیں کے وہیں کھڑے کے کھڑے
رہ گئے۔ مگر جب دیکھا کہ نہ کسی طرح دُہائی
ہی ختم ہوتی ہے اور چیخیں۔ ہر ایک آنچل
میں منہ چھپائے پوری قوت سے چیخ رہا
ہے۔ تو گھبرا کر میں نے بھی چیخیں مار کر
پوچھا کہ "آخر کیا ماجرا ہے۔ کیا ہوا؟
ہماری آواز سنکر بوا کریما نے ڈرتے
ڈرتے ذرا گردن اُٹھائی اور آنچل سے
ایک آنکھ باہر نکال کر ہماری طرف
دیکھا۔ اور ایک بڑا لمبا اطمینان کا سانس
لیتے ہوئے کہا "اُوئی.... بی.....
چھوٹے میاں ہیں"۔ اب ہر ایک آہستہ
آہستہ گردنیں اُٹھانی شروع کیں۔ اور
جدھر کو ہم کھڑے ہوئے تھے اُس طرف
دیکھنا شروع کیا۔ بھابی جان گر کر پلنگ
کے نیچے ہو گئیں تھیں۔ اب وہ بھی نکلیں
اور ہم آگے بڑھے۔ میں نے کہا "آخر سب کو
دیوانے کتے نے کاٹ کھایا تھا۔ یا تم
سب نے متوالی کو دون کھالی تھی کیا تھا
کیا آخر؟" بھابی جان کہنے لگیں "واہ شاباش
آن کے ڈرایا سو ڈرایا اور اب ہمیں سے
آپ اُلٹے پوچھ رہے ہیں۔ شرم نہیں آتی"
میں نے کہا "اُس کی بھی ایک ہی رہی
اجی شرم آنے کی کونسی بات ہے میرا
ڈیوڑھی میں قدم رکھنا تھا کہ سبھوں نے
طوفان برپا کر دیا۔ اب شرمائیں ہم کہ آپ"
بھابی جان "میں کیا جانوں۔ پوچھو گلشن
سے وہی سب میں پہلے چیخی تھی"۔ میاں
خوب پہلے وہ چیخی اور بعد میں بغیر کچھ سوچے
سمجھے آپ سب نے ساتھ دیا"۔ خیر صاحب
راز کھلا کہ بی اللہ بندی جب سے سب کو
جنوں بھوتوں کے قصے سنا رہی تھیں۔ یکدم
سے ڈیوڑھی کیطرف دیکھا کوئی سفید سفید
چیز اندر آرہی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ میں نے
اللہ بندی کو بُرا بھلا کہا۔ کھانا آیا۔ میں نے

اور بھابی جان نے ملکر کھایا۔ اوسکے بعد ہم تو بستر پر دراز ہو گئے۔ پھر اللہ جانے کب یہ محفل جمی اور کب تک رہی۔

اب جو آنکھ کھلتی ہے تو بھابی جان چپکے چپکے ہمیں اٹھا رہی ہیں۔ "چھوٹے بھیا۔ چھوٹے بھیا۔ اجی اٹھو۔ ہائیں۔ چھوٹے بھیا۔ اٹھو۔" میں نے کروٹ لیتے ہوئے پوچھا "کیا ہے؟" کہنے لگیں "اجی کوئی پتھر پھینک رہا ہے اٹھو۔" میں نے کہا "آپ خواب تو نہیں دیکھ رہی ہیں۔ آدھی رات کو کسکی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ آپکے گھر پر پتھر پھینکتا پھرے گا۔ اور جو پھینکتا ہی تو آپ کا کیا نقصان ہے پھینکنے دیجئے۔ اسی کے ہاتھ دکھینگے۔" ہم یہی کہہ رہے تھے کہ تڑ سے ایک پتھر آیا اور چھناچھن کر کے کھڑکی کا آئینہ ٹوٹا۔ اب تو ہمارے بھی کان کھڑے ہوئے اور ہم بستر پر ہم استادہ ہو گئے۔ کہ اتنے میں پھڑ سے ایک بدنی پلنگ سے ذرا پرے گری۔ بدنی کا گرنا تھا کہ بھابی جان نے ایک چیخ ماری اور ہمارے ہی پلنگ پر گر پڑیں۔ دونوں ہاتھوں سے تکیہ میں منہ چھپا لیا۔ تھر تھر کانپ رہی ہیں۔ سمٹ کر گولہ بنی پڑی ہیں۔ اتنے میں دوسرا پتھر آیا اور کھٹ سے ہمارے پہلو میں لگا۔ اور ہم "اُفوہ" کا نعرہ بھر کے پلنگ سے کود کھڑے ہوئے۔ اُدھر سے کرنما نے پکارا۔ "اوئی اللہ مری۔ میری تو کلائی چھنا گئی۔ کتنی زور سے مارا ہے موا۔" ادھر سے شبو نے کہا "بوا۔ میری آنکھ پھوٹتے پھوٹتے بچی۔" میں نے دل سے کہا کہ اگر بھابی جان کے بھی ایک آدھ پڑ گئی تو پھر تو غضب ہی ہو جائیگا۔

میرے سنبھالے یہ سنبھلیں کیں۔ میں نے بھابی جان سے کہا۔ چلئے اندر چلئے۔ ورنہ یہاں آپ کے بھی پڑتی ہے۔ مگر وہاں اٹھا کس سے جائے۔ خیر جناب میں ہاتھ پکڑا ٹھنڈا برف۔ دوسرا ہاتھ انہوں نے آنکھوں پر رکھ لیا کہ کچھ دکھ نہ جائے۔ گرتے پڑتے دالان میں پہنچیں اور دھڑ سے گاؤ تکیہ کے آگے گر پڑیں۔ میں نے انکو وہاں چھوڑ کر دریافت حال کے لئے پلٹنا چاہا مگر انہوں نے فوراً ہاتھ پھر آگے بڑھایا اور بجائے ہمارے ہاتھ کے پیر انکی گرفت میں آیا اور ہم الٹ کر گرے۔ میرا گرنا تھا کہ سب کے سب دوڑ پڑے۔ ایک کہتی ہے "میاں اللہ نے بچایا۔" دوسری نے کہا "چھائیں پھوئیں کیا بڑی گھڑی تھی۔ چوٹ تو کہیں نہیں لگی صاحب۔" تیسری نے کہا "دھکا دیدیا موے نے پیچھے سے۔۔ اللہ کرے ہاتھ ہی ٹوٹیں۔"

اور ادھر ہماری پیشانی میں چوٹ آئی۔ ان
لوگوں نے کائیں کائیں نے غصہ کا پارہ اور بھی
چڑھا دیا۔ میں نے للکار کر بڑے ہٹ اچانکی
صدا دی۔ اور حکم دیدیا کہ خبردار بیچ میں کوئی
نہ بولے ہر ایک دوسرے کی صورت دیکھکر
بازو ہٹ گیا۔ بھابی جان ہمارے گرتے کے
ساتھ ہی اٹھ بیٹھیں۔ اب ہمیں ہلنے نہیں
دیتیں۔ میں کہہ رہا ہوں کہ آخر جاکر دیکھوں تو
تو سہی کہ کون ہے۔ کیا واقعہ ہے مگر وہ کیا ماننے
والی بشر ہیں۔ قسمیں اور رکھائیں دے دے چلی
جا رہی ہیں کہ اچھے بھیا میں تمھے نہ جانے
دونگی۔ کوئی تیغ و تبر اور نہ پڑ جائے یا پھر
وہی حلال خور ڈھکیل و کیل دے میں نے
کہا۔ "کیا خوب۔ گرائیں۔ آپ خود اور تمام
اس بیچارے کا بدنام۔ کہنے لگیں "کچھ ہو میں تو
تمھیں نہ جانے دونگی۔ میرا اکیلے میں دم
نکل جائیگا۔" اور جناب اس عرصہ میں تھوڑی
بارش نے اور بھی زور باندھا۔ حمام اور
سامنے کے سائبان کے ٹینوں نے وہ غل
مچایا کہ الہٰی پناہ۔ ہمارے بھی آے حواس
باختہ تھے۔ اور بھابی جان ہیں کہ اٹھنے
نہیں دیتیں۔ گھٹنہ پکڑے بیٹھی ہوئی ہیں
اب بھابی جان نے بھائی حامد کو صلواتیں
سنانی شروع کیں کہ جاکر دوستوں میں بیٹھ
رہتے ہیں۔ گھر کی خبر نہیں۔ چاہے چور آکر
لوٹ لے جائیں۔ یا شیطان آنکر سب کو
چبا جائے انکی جوتی کی نوک سے۔ غرض
خوب بھڑاس نکال رہی تھیں کہ اتنے میں
کسی نے پکار کر کہا "خاموش۔ ورنہ پتھر
دالان ہی میں کھینچ مارونگا" آواز کے
ساتھ ہی بھابی جان گھٹنہ چھوڑ پھر گولا گٹھڑی
ہوگئیں۔ اور ہم اٹھے۔ اب ہم پر سارا ماجرا
روز روشن کی طرح عیاں تھا۔ سخت غصہ
اٹھے اس ناوقت کے مذاق پر آیا جو بیہودگی
کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ پیشانی سہلاتے
ہوئے بستر پر آن کر لیٹ گئے۔ ڈیوڑھی
سے کسی کی دستک دینے کی آواز آئی۔
اور شبو اچک کر بھاگی کہ بڑے صاحب
آگئے مگر کریما نے وہیں سے ڈانٹ بتائی
کہ خبردار دروازہ نہ کھولنا۔ بدذات دھوکہ
دے رہا ہے۔ گھر میں گھسنا چاہتا ہے (شیطان
کے متعلق روایت ہے کہ وہ رات کے وقت
یا گھڑی دو پہر میں آواز بنا کر دروازہ کھلواتا
ہے اور جو کھولدیا تو گویا اسے اجازت
داخلہ کی دیدی اور وہ مکان میں آن کر
بس جاتا ہے۔ پھر کسی کے نکالے نہیں نکلتا)
مجھے اس فقرہ پر بڑی ہنسی آئی مگر چوٹ
نے اجازت نہ دی اس لئے فقط کروٹ
بدلکر چپ ہو رہے۔ اب بھائی حامد ہیں
کہ برابر چیخ رہے ہیں کہ دروازہ کھولو۔

دروازہ کھولو۔ مگر سب دم سادھے اپنی جگہ پر ہی کھڑے۔ کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ جاکر دروازہ کھولے۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے ڈانٹ کر کہا کہ "کیا سب بہرے ہوگئے ہیں۔ سنتے نہیں۔ دروازہ کھولدو۔ اس پر بھابی جان نے لیٹے لیٹے پکار کر حکم دیا کہ "خبردار جو دروازہ کھولا ہو۔ وہ .... (اسکے بعد شاید کوئی اچھا لفظ استعمال کرنا چاہتی تھیں مگر اُن بزرگ کے ڈر نے اجازت نہ دی) اندر آجائیگا۔" میں نے پکار کر بھائی حامد سے کہا "سُن لیا بھائی جان آپ نے۔ اب اور پھر بھنکیئے۔ آپ کی یہی سزا ہے۔ اب ساری رات باہر پڑے رہئے گا۔ میری رائے مانئے تو نبیل کلاتھ باہر جو چارپائی رکھی ہے اُس پر بچھاکر رات کی رات پڑے رہئے۔ صبح آپ کے داخلہ کا میں ذمہ دار' یہاں کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ دروازہ کھولے اگر نبیل کلاتھ نہ ملے۔ تو جمّن (باہر کا نوکر) کے ساتھ سا جھا کر لیجئے"۔

بھائی حامد "شیطان بڑے بڑے باتیں بنارہا ہے۔ تو خود اُٹھکر کیوں نہیں کھولدیتا۔" میں "بھابی جان کے حکم کی خلاف ورزی مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ ورنہ صبح ناشتہ نہ ملیگا اور بھوکے کالج جانا پڑے گا" بھائی احمد درچھوٹے بھیا کھولدے بیّو۔ مجھے حاجت کے لئے جانا ہے۔ بھیا اچھا نا بڑی زور...." میں "جی ہاں اتنا زور کے میری پیشانی پر گومڑا اُٹھ آیا۔" جب بڑی منتیں سماجتیں کیں تو مجھ ہی کو بھابی جان کے حکم کے خلاف جاکر دروازہ کھولنا پڑا۔ کیونکہ اسی گفتگو کے بعد بھی کسی کو اسکا یقین نہ تھا کہ وہ بھائی حامد ہی ہیں۔ وہ اندر آتے ہی لوٹا لے بھاگے۔ اور آدھے گھنٹہ میں نکلے۔ تب تک یہاں سب امی جمی ہو چکی تھی اور ہر ایک نے اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ یہاں تک کہ بھابی جان بھی بستر پر آن کر لیٹ گئیں۔ اور ہم تقریباً سو گئے ایک بج چکا تھا۔

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جھنجوڑ کر رکھدیا۔ میں تب بھی نہ اُٹھا۔ تو بھابی جان نے بازو میں زور سے چٹکی لی۔ اور ہم بازو سہلاتے اُٹھ بیٹھے۔ میں نے پوچھا "کیا ہے"۔ کہنے لگیں "ڈر لگ رہا ہے"۔ میں نے کہا "میں کیا کروں۔ اٹھائیے نا بھائی حامد کو۔ آخر ساری آفت مجھ ہی پر کیوں ہے"۔ فرمانے لگیں "توشہ خانہ میں کھٹ پٹ ہو رہی ہے"۔ میں پھر لیٹ گیا اور کہا "کھٹ پٹ ہو رہی ہے ہونے دیجئے۔ آپ کا یا میرا کیا بگڑتا ہے اب سو جائیے۔ وہ دیکھئے وہ آپ کا کھٹ پٹ کرنیوالا وہ رہا۔ سامنے کھپریل پر تو بلی معہ اپنے بچوں کے گذر رہی تھیں۔

"اوئی مردار میرا خون خشک ہو گیا تھا نا۔"
میں نے کہا "خیر آپ کا خون خشک ہوا
تو۔ اب کسے اگر آپ کو اٹھانا ہے تو بھائی جان
کو اٹھایئے۔ خادم کو دو گھڑی سونے دیجئے۔
سویرے کالج جانا ہے"۔ مگر توبہ کیجئے وہ
کیا سونے دینے والی تھیں۔ پھر چپکے چپکے
اٹھایا۔ "استغفر اللہ۔ اب کیا ہوا حضرت"
میں نے جلکر کہا۔ سر سے پیر تک اس گرمی
میں دو شالہ اوڑھے ہوئے تھیں فقط ایک
آنکھ باہر نکلی ہوئی تھی جس سے انتہائی خوف
کا اظہار ہو رہا تھا ویسے ہی چپکے سے کہا"
دالان میں کوئی کھڑا ہوا ہے۔ میں نے
جو نظر کی تو واقعی کوئی صاحب کھڑے
ہوئے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ میرا اورکوٹ
جو میں نے کیڑے کے ڈر سے دھوپ میں
لٹکا دیا تھا اور ابھی تک ویسے ہی لٹک
رہا تھا۔ غرض صبح تک یہی کرتے گذری
اور چونکہ بھائی حامد کی اس حرکت سے
بھابی جان ان سے خفا تھیں اس لئے وہ
ساری رات عیش کرتے رہے اور ہماری
رات آنکھوں میں کٹی۔

صبح میں نے دریافت کیا کہ اللہ بندی
کہاں تھیں، تو معلوم ہوا کہ ساڑھے گیارہ ہی
بجے وہ کوٹھے پر جا کر سو گئیں تھیں۔ اے
لیجئے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔
مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ دوسری رات کو
حکیم بلاقی کے ہاں سے ایک گولی خواب
رفتنی کی لا کر بی اللہ بندی کو پان میں
کھلائی اور خود خواب آوری کی کھائی۔
وہ رات بھر خشکی کی وجہ سے کروٹیں
بدلتی رہیں اور ہم مزہ سے سویا کئے۔
تین چار روز کے بعد اپنی اُس
رات کی خدمات کا واسطہ دیکر بھابی جان
سے بھائی حامد کا قصور معاف کروایا
اور اللہ بندی کو اُن کے موئے
ہوئے شوہر کی قسم دی کہ اب وہ کسی
جن بھوت کا قصہ جھوٹے منہ بھی
بھابی جان سے تو کیا در و دیوار
سے بھی نہ کہیں۔
مگر آج ہی وہ پیٹ پکڑی ہوئی آئیں
اور بھابی جان سے کوئی تازہ واردات
کہہ گئیں ہیں۔ خدا ہم غریبوں کے حال پر رحم کرے۔

جناب شبیر حسن خاں صاحب جوش ملیح آبادی

شاعران خستہ سے ملتی نہیں تیری نگاہ — اللہ اللہ یہ تکبر اے امیر خود پسند

خاکساروں کیطرف سے جب گذرتا ہے کبھی — یوں اکڑ جاتا ہے گویا کھنچ رہا ہے بند بند

یہ اکڑ ہے درحقیقت کھوکلے پن کی دلیل — نرم کر گردن کے خم کو کھینچ لے باگ سمند

کھول دے پیشانی دولت فروشی سے گرہ — پھینکدے دوش امارت سے تجبر کی کمند

بارگاہ، حاجب و خدام و دینار و درم — ہاں یہ مانا تو ہے ان سب نعمتوں سے بہرہ مند

ہاں سمجھتا ہوں کہ تیرا طرۂ طرف کلاہ — آسماں کیا۔ بلکہ ہے عقد ثریا سے بلند

پھر بھی غمگین خاک کے پامال ذروں کی طرف — اس حقارت سے نہ دیکھ اے آفتاب ارجمند

در سفالین کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں شریفان خدمت جام جہاں بین کردہ اند

ترکی میں بیداری نسواں

جناب سید بادشاہ حسن صاحب

(+)

سفینۂ برگ گل بنالیگا قافلہ مور ناتواں کا + ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

جس طرح کوئلے یکجا نہ کئے جائیں۔ ان پر تیل نہ چھڑکا جائے۔ چنگاری روشن کی جائے اور پھونکوں سے بھڑکایا نہ جائے تو شعلے بلند نہیں ہوتے۔ اسی طرح لوگ ایک اصول پر متفق نہوں۔ ان میں احساس پیدا نہ کیا جائے ان میں ایک آتش زبان پیدا نہ ہو اور جوش و خروش دل میں لہریں نہ مارے تو "انقلاب زندہ باد" کے نعرے فضا میں نہیں گونجتے۔

اُس وقت جبکہ ٹرکی میں عورتوں کی حالت بہت ردی تھی۔ اسے ایک چراغ تصور کر لیا گیا جو گھر میں اور صرف گھر ہی میں روشنی دے سکتا تھا۔ خیال تھا کہ باہر کی کھلی فضا میں یہ چراغ ہوا کے جھونکوں سے بجھ جائیگا یا بھڑکنے لگے گا یا ٹمٹمانے لگے گا۔ ترکوں نے کبھی اس چراغ کو گھر سے باہر لیجا کر عملی تجربہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور کرتے تو کیونکر جبکہ یہ خیال ان کے دماغوں پر اسقدر مسلط ہو چکا تھا کہ انہیں اسپر پورا یقین تھا۔

ظاہر ہے کہ اس چراغ کا کیا کام ہوگا بس یہی کہ خود جلے اور دوسروں کو روشنی دے۔ چراغ کی اس قابل رحم حالت پر چار آنسو بہانے دلجوئی اور غمخواری کرنیکے لئے

چند پرانے جمع ہونا چاہتے تو فانوس کی حصا
ان کے درمیان حائل کر دیجاتی ۔
ایک مدت تک بے زبان صنف نازک
پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے لیکن تابکے
ایک دن وہ بھی آ پہونچا جب سارے
چراغوں کی حدت یکجا جمع ہوئی اور آتش فشاں
کی طرح یہ مادہ زینب اور ملک کے دل
و دماغ سے پھوٹ نکلا ۔ ٹرکی میں انقلاب کا
زلزلہ آیا حدود ٹوٹ گئے اور عورتیں آزاد ہوئیں
زینب اور ملک نوری بے کی خوبصورت
لڑکیاں تھیں ۔ چونکہ مغربی رنگ آہستہ آہستہ
ٹرکی پر غالب آرہا تھا اس لئے انکی تعلیم و
تربیت مغربی طرز پر ہوئی ۔ ضروری تعلیم کے
ساتھ انہیں فنون لطیفہ بھی سکھلائے گئے ۔
اور انکی دلچسپی اسی رنگ میں اتنی بڑھی کہ
انہوں نے جلد ہی ان میں ایک حد تک
کمال پیدا کر لیا ۔

زینب کا خاندان اسوقت ٹرکی میں
روشن خیال مشہور تھا ۔ پھر بھی زینب جن
زنجیروں میں جکڑی گئی ۔ جن رسومات کی
بندھنوں میں الجھائی گئی اور جن طریقوں سے
اس کی آزادی چھین لی گئی اس سے صاف
طور پر ٹرکی کی عورتوں کی بے بسی ۔ لاچاری
اور مجبوری کا اظہار ہوتا ہے ۔ اس کی دکھ
بھری داستان اسی کی زبان سے سننے کے قابل ہے ۔

"ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے"
"سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری"

لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں گذرا ۔ ہوش
سنبھالا تو تعلیم و تربیت کا خیال آیا ۔ والدین
آزاد منش تھے اسلئے مغربی اصول کے مطابق
تعلیم دلوائی ۔ سمجھ پختہ ہوئی تو مغربی تعلیم نے
میرے دماغ پر آہستہ آہستہ تسلط جمانا شروع
کر دیا ۔ میں نے بڑے شوق سے بلاد یورپ
کی عورتوں کے حالات پڑھے ۔ انکی آزادی
انکی تعلیم ۔ ان کے کارنامے ! اف ترکی
عورت کے حاشیہ خیال میں بھی آ نہیں سکتے ۔
میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔ جب میں
نے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ ہم قعر ظلمات میں
دست و پا بستہ پڑے ہیں اور وہ کوہ نور کی
چوٹی پر آزادی کے گیت گا رہی ہیں ۔

"میں ابھی مغربی آزادی کا خواب دیکھ ہی
رہی تھی کہ ایک مصیبت ۔ اف ! ایک ایسی
مصیبت جس کے خیال ہی سے میں لرزہ براندام
ہوئی تھی کہ خلاف توقع نازل ہوئی ۔ یعنی
یہ کہ میری شادی کے متعلق سلسلہ جنبانی
شروع ہوئی آخر ایک شخص میرا شوہر منتخب
ہوا ۔ میں نے پسند نہیں کیا بلکہ والدین نے
منتخب کیا اور یہ بالکل دستور کے مطابق تھا ۔
میں کون تھی ؟ کیا تھی ؟ مجھے پسند کرنے کا
اختیار تھا یا نہیں ؟ یہ سوالات بے فائدہ تھے

بے ضرورت تھے۔ آہ! — اس میں میرے والدین کا کوئی قصور نہ تھا۔ بلکہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ اور تمدن و معاشرت قابل الزام تھے۔

"میں مغربی طرز آزادی کی دلدادہ اور میرا ہونیوالا شوہر —— والد کا پرائیوٹ سکریٹری —— مشرقی تہذیب و روایات کا عاشق تھا۔ یہ خلیج ویسی نہ تھی جو آسانی سے مٹ جاتی۔ شادی ہوئی لیکن خانہ آبادی نہیں ہوئی۔ دو جسم مل گئے لیکن دو دل نہیں ملے —— رہی سہی آزادی بھی یوں سلب ہوگئی۔ ہائے سہ

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیاں کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

"اس پرندے کی طرح جو دام میں پھنس کر پھڑپھڑاتا ہے اور رہائی کے لئے جاں توڑ کر کوشش کرتا ہے میں نے بھی تہیہ کرلیا کہ رہونگی دنیا میں تو آزاد ہو کر نہیں تو آزادی کی تگ و دو میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جاں دیدونگی۔ غلام بنکر زندہ رہنے سے آزادی کی کوشش میں مرنا ہزار درجے بہتر ہے۔"

"ہم بے کس و بے بس اور لاچار و مجبور عورتیں مردوں کا میدان عمل میں بگاڑ ہی کیا سکتی ہیں۔ ہمارا اور انکا مقابلہ رائی اور پربت کا سا تھا۔ ہمنے خفیہ طور پر ایک انجمن..... قائم کی جس کا مقصد اس اصول کی تبلیغ تھا:—

"غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں"
"جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں"
"یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم"
"جہاد زندگانی میں ہیں یہ انسانوں کی شمشیریں"

دعوتیں دیجاتیں جسمیں صرف عورتیں ہی شریک ہوسکیں۔ کھانے کے بعد ہماری غم انگیز داستان چھیڑی جائے۔ اس پر آنسو بہائے جائے اور موجودہ تکالیف سے نجات حاصل کرنے کے منصوبوں پر غور کیا جاتا۔

اسی اثناء میں حکومت نے ہماری دعوتیا موقوف کروادیں۔ ہوا یہ کہ کسی نے سلطان عبدالحمید پر قاتلانہ حملہ کیا مگر سلطان کی جان بال بال بچ گئی۔ حکومت نے احتیاط کے مدنظر تمام اندیشناک جلسوں کی ممانعت کردی اسی سلسلے میں ہماری دعوتیں بھی موقوف کروادی گئیں۔

حکومت کی اس بیجا احتیاط پر ہمیں جو صدمہ ہوا اسکا اندازہ مشکل ہے مگر کرتے کیا قہر درویش بر جان درویش — ہم نے ٹھان لی کہ:—

"یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر"
"زمیں پر تو ہو اور تری صدا ہو آسمانوں میں"

اس سے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری داستان غم دوسری قوموں کے گوش گذار ہو

ممکن ہے کہ وہ متاثر ہوں اور ہماری مدد کریں
ایسے آڑے وقت میں ہمیں لوتی کا خیال
آیا کیونکہ وہ ہمیشہ ترکوں کا دوست رہا ہے
اُسے ہماری تہذیب اور معاشرت سے
انس رہا ہے ۔ اس کے طرز بیان میں
اثر ہے اور اسکی تحریر میں روانی ۔ اسکے
بیشمار افسانے نہ صرف ترکی اور فرانس
میں بلکہ سارے یورپ میں زبان زد
خاص و عام ہیں ۔ اگر وہ ہماری داستان غم
لکھے گا تو سنگدل سے سنگدل کو موم کر دیگا
یہ ٹھان کر ہم نے لوتی سے مدد مانگی ۔
اور اس نے ہماری توقع کے موافق وعدہ
کیا کہ وہ ضرور ہماری پُردرد داستان کو منظر عام
پر لائیگا ۔ مواد فراہم کرنا ہمارا کام تھا اسلئے
ہم نے خواب و خور حرام کر کے اور دل رات
ایک کر کے اپنی داستان غم کے بکھرے ہوئے
شیرازہ کو یکجا جمع کیا ۔ شکر ہے اُس معبود کا
جو کسی کی محنتوں کو رائیگاں نہیں کرتا ہماری
کوششوں کا نتیجہ "لے دیسنشانتیس" کی شکل
میں رونما ہوا ۔ یہ کتاب لوتی کا شاہکار
نہیں تو سب سے زیادہ مشہور اور سب سے
زیادہ دلچسپ ضرور مانی جاتی ہے ۔
حالانکہ لوتی نے دیباچہ میں اسے ایک
فرضی قصہ لکھا تھا لیکن لوگوں نے ہم پر
شبہ کیا اور حکومت بھی ہم پر قہر آلود نظریں
ڈالنے لگی ۔ یہ دیکھ کر ہمیں بھاگنے کی فکر ہوئی
کیونکہ قریب تھا کہ ہمیں گرفتار کر لیا جاتا ۔ ایسے
جان جوکھوں کے وقت ہماری نظر فرانس پر پڑی
اور ہمیں اپنے عزیزوں سے ہمدردی اور غمخواری
کی توقع تھی ۔ اسلئے ہم نے فوراً فرانس کا رخ کیا
...... انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے

زینب اور ملک کی فراری کا غم والدین کو
اس درجہ ہوا کہ انکی زندگی دشوار ہو گئی ۔ اور
تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے گھل گھل کر
انتقال کیا ۔ ملک نے پولنڈ کے ایک صاحب
جائداد شخص سے شادی کر لی اور اس کی شریک
حیات ہو کر اسوقت تک آسودہ حال رہی
جب تک روس میں انقلاب عظیم کا امنڈتا
ہوا بالشویک سیلاب اسکی ساری جائداد
کو بہا نہ لیگیا ۔ اپنی تنگدستی کے ایام اس نے
محنت و مزدوری کر کے کاٹے ۔ پیٹ پر
پتھر باندھا اور سلائی کا کام کرنے لگی ۔

زینب کچھ دنوں تک یورپین تہذیب
کی دلدادہ رہی ۔ اسی عرصہ میں اسنے ایک
یورپین سیاح کی ڈائری ترتیب دی جسکا
مقصد ترکی عورتوں کی ناگفتہ حالت پر روشنی
ڈالنا اور اسے منظر عام پر لانا تھا ۔ وہ اپنے
مقصد میں بڑی حد تک کامیاب رہی کیونکہ
اس نے نہایت عمدگی سے ترکی خواتین کے
حالات یورپین سیاح کی زبانی بیان کئے تھے ۔

لیکن وہ بعد میں یورپین تہذیب سے متنفر ہوگئی ۔ خدا معلوم کیوں ؟ اور اس کے دل میں ترکی کی محبت کا شعلہ دوبارہ بھڑک اٹھا۔ وہ جدائی کی آگ میں جلنے لگی ۔ آخر ترکی کے انقلاب کے بعد اسے شہر میں آنکی اجازت ملی ۔ اس نے پھر عورتوں کا سوال اٹھایا۔ اور بساط بھر کوشش کی حتیٰ کہ اپنی عمر کی تیسویں سال کے شروع ہی میں اس نے اپنے آپ کو آزادی کی دیوی کے آگے بھینٹ چڑھا دیا۔

اسی دوران میں ترکی میں انقلاب عظیم برپا ہوا جس نے سلطنت کی کایا پلٹ دی سلطان عبدالحمید جو خود مختار اور بے لگام حکمران تھا اب پارلیمنٹ کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور آئین ودستور بندی نے اسکے اختیارات محدود کردئے ۔ اس طریقہ پر ایک حد تک ترکی کی حالت درست ہوئی۔ اسی حالت میں عورتوں کی آزادی کا مسلہ بھی مدبرین کے آگے پیش کیا گیا۔ عورتوں نے ہر طرف کھلم کھلا طور پر آزادی کے نعرے لگانا شروع کردئے ۔ انکا طوفانی جوش وخروش دیکھکر احمد رضا بے اور رضا توفیق بے نے ممکنہ مدد کا وعدہ کیا ۔ احمد رضا بے خواب و خیال کی دنیا میں رہنے والا اور بلند پایہ منصوبے سوچنے والا شخص تھا۔ بجائے اسکے کہ وہ عورتوں کی زنجیروں کو یکے بعد دیگرے کاٹتا اس نے کوشش کی کہ عورت کو آن واحد میں یکدم آزاد کردیا جائے جو ایکطرف تو ناممکن تھا اور دوسری طرف نقصان دہ۔ سلمٰی خانم کو اس نے اجازت دیدی کہ وہ عورتوں کی آزادی کا جھنڈا فی الفور بلند کرے۔ ساتھ ہی اس نے تعلیم نسواں کی طرف توجہ کی ۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ترقی نسواں کے لئے تعلیم نہایت ضروری ہے لیکن اس نے ایک ناموزوں وقت پر آئیڈیل تعلیم کا اسکیم پیش کیا۔ سب سے پہلے اس نے استانیوں کی تعلیم ضروری قرار دی پھر ایک عظیم الشان کالج کی افتتاح کا بیڑا اٹھایا۔ چندہ مکمل طور پر جمع ہونے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے رفیع الشان عمارت کا کام شروع کرادیا۔ جب سرمایہ جواب دیدیا اور عمارت کا کام ابھی آدھے سے زیادہ باقی رہ گیا تو اس نے مزید چندہ جمع کرنے کی کوشش کی مگر اسوقت تک لوگوں میں یہ خیال پختہ ہوچکا تھا کہ اسقدر عظیم الشان عمارت میں لڑکیوں کو پڑھانا ان کو آرام وراحت کا درس دینا ہے ۔ اس لئے چندہ کی مخالفت کی گئی اور عمارت ادھوری چھوڑ دینی پڑی۔ رضا توفیق "فلاسفر" کے لقب سے

مشہور ہوا۔ وہ ایک پرجوش اور خوش گو شاعر تھا۔ لیکن مدبر کی حیثیت سے وہ احمد رضا بے سے زیادہ ناکارہ تھا۔ کاش وہ سیاسیات سے علیحدہ رہ کر شعر گوئی اور تصانیف کی طرف توجہ کرتا تو ترکی کو اسکی ذات سے یقیناً زیادہ فائدہ پہنچتا۔ عورتوں کی آزادی کے لئے اس نے سیاسی میدان میں عبث دوڑ دھوپ کی۔ ہاں اس نے جو دل ہلا دینے والی اور ولولہ انگیز نظمیں لکھیں ان سے یقیناً سوئے ہوئے جذبے بیدار ہوئے اور عورتوں کے مردہ جسموں میں جان پڑ گئی۔ ان کی ہمتیں بلند ہوئیں اور حوصلے بڑھ گئے۔ وہ بے ساختہ میدان عمل میں کود پڑیں اور اپنی جانوں پر کھیل کر آزادی کی حمایت کرنے لگیں۔ اسکی عزیز شاگرد خالدہ خانم نے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے جو کچھ بھی کیا وہ محض اسی کی ولولہ انگیز نظموں کا نتیجہ ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم رفتہ رفتہ بری نظروں سے نہیں دیکھی جانے لگی۔ مگر قدامت پرست لوگوں اور ملاؤں کا طبقہ اب بھی بدستور اپنی بات پر اڑا رہا پھر بھی حکومت نے عورتوں کی تائید میں بعض احکام نافذ کئے جنمیں سے ایک عورتوں کو سیر و سیاحت کی اجازت دینا تھا۔ اس سے پہلے عورتیں ترکی سے باہر نہیں جا سکتی تھیں لیکن اب مدبرین اور سیاح اپنی اپنی بیویوں کو کھلے بندوں سیر کرا سکتے تھے۔ عورتوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے اپنے شوہروں کو یورپ کے سفر کی ترغیب دلانی شروع کی۔ اس کوشش میں بہت سی عورتوں کو کامیابی نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنی عمر میں پہلی مرتبہ یورپ کی کھلی اور آزاد فضا میں سانس لیا۔ بعضوں کی آنکھیں یورپ کے "جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری" سے چندھیا گئیں اور بعضوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

جنگ یونان نے ترکوں کی سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیا اور دائرہ تنگ کر دیا۔ ایسے آڑے وقت میں وزراء سلطنت نے جنمیں طلعت پاشا اور انور پاشا زیادہ مشہور ہوئے ممکنہ کوشش کی کہ وطن پر آنچ نہ آنے پائے۔ منجملہ ان کے قابل ستائش کارناموں کے ایک لائق تحسین کوشش ترقی نسواں کی ہے۔ انہوں نے اپنی بیویوں کو اکسانا شروع کیا کہ وہ عورتوں کے حقوق کے لئے جان توڑ کوشش کریں۔ باوجود اس کے بیگم طلعت پاشا نے اندھا دھند کام کرنے سے احتراز کیا اور پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ انہوں نے جلسے منعقد کئے۔ مباحثے

اور مشورے کئے لیکن یہ سب کچھ نہایت
احتیاط اور رازداری کے ساتھ۔ دیوانگی
کی حد تک ولولہ اور طوفانی جوش وخروش
ان کے نزدیک مضر اور نقصان دہ تھا۔
آہستہ آہستہ کوششیں ہوئیں اور ترکی کی
نئی پود کو ترقی اور اصلاح کے لئے اندر ہی
اندر تیار کیا گیا۔ لیکن انور پاشا کی بیگم نے
توقع کے خلاف کوئی حصہ نہیں لیا۔ عیش
کیا۔ رنگ رلیاں منائیں اور دن چین
سے کاٹے۔

"ملک کے بہی خواہوں نے دیکھا
کہ وطن پر سخت بپتا آن پڑی ہے۔ انہوں
نے محسوس کیا کہ ترقیات عامہ۔ تعلیمات
اور طبابت کے سررشتوں میں عورتوں کی
اشد ضرورت ہے اور وہ ان امور کو
بخوبی انجام دے سکتی ہیں۔ اس لئے انہوں
نے عورتوں کو ان دفاتر میں مردوں کا
ہاتھ بٹانے کے لئے سب سے پہلی مرتبہ
طلب کیا۔ ان مدبروں کی دوررس
نگاہوں نے دیکھا کہ پردہ ترقی نسواں
کی راہ میں سنگ گراں ہے اس لئے
انہوں نے حکم دیا کہ عورتیں گھروں سے
باہر نکل سکتی ہیں اور نقاب سے منہ ڈھانکنے
کی چنداں ضرورت نہیں۔ عورتیں آزادی
کے ساتھ دوکانوں پر خرید و فروخت کر سکتی
ہیں۔ باغیچوں میں گلگشت اور شام کی
چہل قدمی کی انہیں عام اجازت تھی۔
گو اس میں علماء نے فتوؤں کے روڑے
اٹکائے مگر مدبروں نے یقین محکم اور عمل
پیہم سے ترقی کا رستہ ہموار کر دیا۔ اسکے
علاوہ عورتوں کی تعلیم کو فروغ دینے کی
غرض سے مختلف کالجوں کے دروازے
کھولدئے گئے اور عورتوں کو داخلہ کی
عام اجازت دی گئی۔

عورتوں کی آزادی کے سوال کو حل
کرنے میں جو مباحثے ہوتے ان میں خوب خوب
دل کھول کر جوش وخروش کا اظہار کیا جاتا
حامد اللہ صبحی بے کی جوشیلی تقریریں مجمع کے
دلوں کو گرما دیتی اور روحوں کو تڑپا دیتی تھیں
ایک مرتبہ انہوں نے عورتوں کو مخاطب
کرتے ہوئے کہا:۔

"کیا تم نہیں دیکھتیں کہ یورپ تمہاری
حالت پر ہنس رہا ہے تمہیں قابل
انگشت نمائی سمجھتا ہے۔ اور
تمہیں قعر ذلت میں دیکھکر
طعنہ زنی کرتا ہے......
ہم تمہاری مدد کے لئے ہر طرح
تیار ہیں لیکن تم ہو کہ بے نیاز۔
تمہارے کانوں پر جوں تک
نہیں رینگتی۔ تمہیں احساس لیتی

نہیں ہوتا۔ وائے رے غفلت اور ہائے رے نادانی! ...... ہم چاہتے ہیں کہ عورت ہماری شریک کار بنے اور ہمدم و ہمساز رہے نہ کہ لونڈی... تم چہرے پر نقاب ڈالتی ہو جو کہ غلامی کی نشانی ہے اور کھلے بندوں میدان عمل میں نہیں آتیں جو کہ کم ہمتی اور پستی کی علامت ہے...... ملائے کہتے ہیں کہ نقاب عورت کی عصمت وعفت کا محافظ ہے اور وہ تمام برائیوں کو روکتا ہے اس لئے تم نقاب پہنتی ہو۔ کیا خوب! ۔ وہ اگر یہ کہیں کہ عورتوں کی زبانوں سے جھوٹ کا اندیشہ لگا رہتا ہے اس لئے ان کا کٹوا دینا مناسب ہے تو کیا تم ان کے کہنے پر عمل کروگی؟

....

عورتیں قطار در قطار ہوئے سیاہ کیانوس کی نقابیں ڈالے بیٹھی سنتی رہیں۔ اس تقریر سے ان کے قلوب میں گرمی کی ایک غیر معمولی لہر دوڑ گئی۔ جوش و خروش کا ایک دریا ان کے سینوں میں لہرانے لگا اور انہوں نے ٹھان لی کہ چاہے کچھ ہو وہ مضبوطی سے اپنے نصب العین پر اڑی رہینگی۔ وہ نہ بیٹھیں تو یہی سودا سر میں لئے ہوئے۔ چلیں تو اسی دھن میں

لیکن سوال یہ کہ کون اِنکا سرغنہ مقرر ہو اور کون پیش رو۔ انہیں اس تاریکی سے نکالنے کے لئے ایک شمع کی رہنمائی کی ضرورت تھی ایسے وقت میں انکی نظر خالدہ خانم پر پڑی جنکے مضامین تعلیم و تربیت سے متعلق ترکی بھر میں خاص شہرت و وقعت رکھتے تھے۔ انہی کی کوشش سے طرز نو پر تعلیم دیجانے لگی اور انہی کی محنت سے نخل تعلیم بارآور ہوا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی غنیمت ہوتا ہے۔ خالدہ خانم نے ترقی نسواں کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی حکومت کو بار بار توجہ دلائی لیکن مشکل یہ تھی کہ کوئی حکمراں عورتوں کو بالکل قید و بند سے آزاد کرانے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ ایک طرف تو اسکو روایات قدیم کا ڈر۔ دستور قدیم کا لحاظ اور دوسری طرف ملاؤں کے فتوں کا خطر۔ بھلا ایسی نازک حالت میں عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش میدان ترقی میں کھڑا کرنیکی جراءت کرنا بادشاہ کا اپنی جان آپ جوکھوں میں ڈالنے سے کم نہ تھا۔ اس مہم کے سر کرنے کے لئے اگر کوئی موزوں ہو سکتا تھا وہ صرف غازی مصطفےٰ کمال پاشا تھا یقین محکم اور عمل پیہم وہ ذرائع تھے جن کی مدد سے عورتوں کی

غلامی کی زنجیریں کٹ سکتی تھیں۔ ملک کو اس پر بھروسہ تھا اور اسکو ملک پر اعتماد۔ اس کے علاوہ ترکی کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ عورتوں کی غلامی کی زنجیریں کمال کی تیغ سے کٹیں اور مصطفےٰ کے ہاتھ سے ان کے نقاب الٹیں۔

طلعت پاشا کی تجویز کے خلاف ترکی نے جنگ عظیم میں برطانیہ کے خلاف ہتھیار اٹھائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی کی حالت بد سے بدتر ہوگئی ۱۹۱۹ء کے صلحنامہ سے ترکی کو کوئی فائدہ نہ پہنچا حالانکہ دوسری سلطنتوں نے ایک حد تک شیرازہ بندی کرلی اور اپنی منتشر قوت یکجا کرلی۔ ابھی ترکی کو جنگ عظیم کی مصروفیتوں سے چھٹکارا ہوا ہی تھا کہ ملک میں اندرونی بےچینی اور حکومت سے بیزاری کے آثار رونما ہوئے

مصطفےٰ کمال نے اپنی جان پر کھیل کر غریب رعایا کی مصیبتوں کو بچانے کوشش کی۔ اور وعدہ کیا کہ عورتوں کی نازک حالت کو درست کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیگا۔ اس نے نہایت جوش کے ساتھ یقین دلایا کہ وہ دن دور نہیں جبکہ عورت اور مرد پہلو بہ پہلو شاہراہ ترقی پر گامزن ہوں گے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ کمال نے اپنا وعدہ کس طرح پورا کیا اور مرد اور عورت کو ایک ہی بلندی پر کیونکر کھڑا کردیا۔

ترکی عورتیں کبھی اس کے اس احسان عظیم سے سبکدوش نہیں ہوسکتیں۔

قطعات

(مولانا امجد)

کر رہا ہوں ہر ایک کی پوجا بندگی کا ثبوت دیتا ہوں
چل رہی ہے زبان آٹھ پہر زندگی کا ثبوت دیتا ہوں

(قطعہ)

آیا ہے زمانۂ ترقی؛ گندہ بندہ خدا ہوا ہے
ایمان سے دل صفا کر کے امجد صوفی بنا ہوا ہے

(رباعی)

اِس سے خواہش کروں کہ اُس سے مانگوں
حاصل کچھ بھی نہیں ہے جس سے مانگوں
پہلے مجھے حق کیا ہے؟ اگر کچھ ہے بھی
حق اپنا سوائے حق کے کس سے مانگوں

(محمد عبدالرزاق بسمل)

یہ نیچر کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ کائنات میں جہاں ایک صورت دوسری صورت سے نہیں ملتی۔ وہاں خیالات۔ عادات۔ جذبات تاثرات۔ میں بھی تضاد اور اختلاف عظیم ہے! پھر رحمت ہو "عشاق" پر کہ یہ بھی عجیب طرفہ معجون ہیں کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا "افلاطونی" ہوتے جائینگے۔ جن کے رہنے بسنے کا نہ آج تک پتہ نشان ملا۔ ذیل میں چند ایسے ہی وارفتہ مزاجوں کے حالات قلمبند کئے جاتے ہیں جنھوں نے اپنے شب ہائے کامرانی کہئے یا شب ہائے ناکامی کی مصوری کی ہے۔ تمنائے داد نہ بھی اگر ان حسرت نصیبوں کا ماتم ہی کیا جائے تو گویا منہہ مانگی مراد حاصل ہو گئی۔

۱ ۔ شب وصال کی کامرانی اپنے اندر جو لذت و مسرت۔ جذبات و تاثرات پنہاں رکھتی ہے اوسکی لذتوں کو یاد کرکے ایک دل ریش یوں معمہ سنج ہے:۔

" رنگنی یاد وہ بھی صحبتیں وہ وصل کی راتیں "

" کہ پردہ شام سے چھوڑا تو ہنگام سحر الٹا "

دیکھا آپ نے! پردہ شام سے جو چھوڑا گیا تو ہنگام سحر ہی اٹھا۔ غریب دلدادہ حسن نے مدتوں اپنی راتیں "اختر شماری" اور دن گریہ وزاری کے نذر کئے تھی آخر کرتے کیا۔ یہی نالہ ہنگام سحر تک اپنی داستان حزین اور افسانہ درد سنایا ہوگا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ عشاق کی داستانیں کچھ مختصر تھوڑی ہوتی ہیں کہ جلد ختم ہوں اسکے لئے کئی راتیں بھی کافی نہیں۔ اگر سحر تک پردہ پڑا رہا تو کسی کو رشک کرنے کی وجہ؟

۲ ۔ ایک وہ بھی دست از رفتہ عاشق ہے کہ دل میں خیالی پلاؤ پکاتا اور یہ تمنا

رکھتا ہے کہ شب وصال کا موقع ملے تو آلام عاشقانہ سنائیگا۔ اپنا جگر صد رخم دکھائیگا۔ اوس کا علاج اور اوس کا مداوا خواہ نخواہ کسی مسیحا نفس سے چاہیگا۔ اور یہ جو اپنے اختر برگشتہ بخت اور قسمت نارسا کا ماتم دار ہے اوس کو یار کے تشریف آوری کی اطلاع ملتی ہے لیکن اس نوید پر وہ کچھ ایسا بوکھلا جاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی اور لطف یہ کہ تہیدستی اور بے بضاعتی نے غریب کو اس لایق بھی نہیں رکھا۔ کہ بہائے دید میں کچھ سوغات پیش کر سکے بے اختیار چیخ اوٹھتا ہے۔

ہے خبر گرم اون کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہوا

حقیقت یہ ہے کہ یہ تشریف آوری غریب کے لئے "قم باذنی" نہیں تھی بلکہ اُس کے حق میں تو پیام موت ہے۔ ورنہ اگر معاملہ بس کا ہوتا تو اپنی روح بھی شیطان کے ہاتھ فروخت کرنے میں تامل نہوتا۔ کیونکہ اوسے خوف ہے کہ آنے والا کہیں راستہ سے پلٹ جائے اور مدتوں کی شب بیداریاں برسوں کا ریاض غارت جائیگا۔

۳۔ ایک اور واقعہ سنئے فرماتے ہیں:۔

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کا مرض کچھ استسقاء سے ملتا جلتا ہے جس طرح استسقیٰ کا مریض پانی پیتے پیتے تمام ہو جاتا ہے اسی طرح آپ کی محبت بھی ہل من مزید کے نعرے لگاتی ہے۔ گویا آپ کی شب کامرانی کیا ہوئی بلکہ عذاب جان۔

۴۔ ایک وہ بھی عاشق محترم ہیں کہ جس کی دنیائے حسن وعشق محض دوست کا ادب واحترام ہے۔ بجز اس کے آپ کسی اور شئی کے تمنائی نہیں۔ بانیچر نے اتنا جری نہیں بنایا۔ مدت کے بعد آپ کا آہوئے رم خوردہ رام ہوتا ہے چونکہ۔ "جوانی کی راتیں مرادوں کے دن" ہیں اور طبیعت میں الھڑپن بھی زیادہ ہے اسلئے سرمست خواب آتا ہے اور کلبہ تاریک میں محو خواب ہو جاتا ہے۔ عاشق ادب اموز ادب وشوق کے ساتھ ہاتھ باندھے اپنے جذبات کو فضائے بسیط میں یوں مرتعش فرماتے ہیں۔

"یار آرام میں ہے وصل کی شب ہے آخر
متفکر ہوں کہ بیدار کروں یا نہ کروں"

اگر بیدار کرنے کی جرات کرتے ہیں تو عتاب کا خوف دامن گیر ہے۔ اگر خاموشی اختیار کرتے ہیں تو صبح ہو جانیکا اندیشہ لگا ہوا ہے شکار جو زد پر ہے وہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔

اسی تذبذب اور سوچ بچار میں شب وصل
گذر جاتی ہے۔

۵۔ ایک تو گرفتار محبت ہیں جو رسم اسیری
سے پوری طرح واقف نہیں اور اُس پر غضب
یہ ہے کہ فطرت نے شرم و حیا کے تقسیم کے وقت
انہیں ضرورت سے زیادہ اس کا حصہ دیدیا
اسلئے حیا مانع عرض حال ہے چنانچہ
شرماتے ہوئے اور کچھ لجائے ہوئے بایں
ہیئت کذائی کہ ہاتھ دونوں بندھے ہوئے
ہیں۔ آنکھیں زمین کی جانب جھکی ہوئی ہیں
اور کنکھیوں سے کبھی کبھی دیکھ لینے کی جرأت
بھی فرما لیتے ہیں۔ رک رک کر وہاں موروں
سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:۔

"عاشق تازہ ہوں اور وصل کی پہلی شب ہے
شرم سے کہہ نہیں سکتا ہوں کچھ مقصد ہے"

کیا رائے ہے جناب کی اس عالم میں جبکہ
آپ عشق کے مدعی بھی ہیں اور وصال
کے لئے بے تاب و بیقرار بھی۔

۶۔ ایک اور مایوس العلاج ہیں مدتوں کی
ریاضت اور برسوں کی دشت نوردی کے
بعد آپ کو شب وصال سے سابقہ پڑا اور
آپ کا محبوب آیا لیکن کس حال میں کہ جسم
کا ٹمپریچر ۹۱۳ ڈگری تھا باوجود آپ کی تشنہ
تمناؤں کے وہ ڈولن (نارمل) نہ ہو سکا چنانچہ
اپنی نامرادی کی داستان کسقدر عمدہ الفاظ
میں بیان کرتے ہیں:۔

"شب وصال میں کیں بد مزاجیاں اُس نے
لڑائیاں رہیں بوس و کنار کے بدلے"

شائد آپ کی رات۔ شب وصال نہ تھی
بلکہ عرصہ جنگ و جدال۔ اور معرکہ چین و
جاپان۔

۷۔ ایک اور حسرت در آغوش۔ تمنا
بر دوش ہیں۔ جنکو بخت کی یاوری سے
شب وصال کا اتفاق ہوا تھا مگر اب بھی
وہ اسی تمنا میں اپنی بقیہ عمر کاٹ رہے
ہیں کہ کاش پھر ایک دفعہ یہ قران السعدین
نصیب ہو ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اک شب مرے گھر آن کے مہمان رہے تھے
آتے نہیں اس شرم کے مارے کئی دن سے"

نہ جانے آپ نے کیا سلوک کیا کہ وہ ادھر
جھانکر دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔

۸۔ ایک اور واقعہ سنئے کہ آپ نے
یہ تہیہ کر لیا تھا کہ شب وصال بیجا ناز و
نخرے کے نذر نہو جائے غرض
"شغلہ چاہیئے کچھ دل کے بہلنے کے لئے"
عرض کرتے ہیں:۔

"شب وصال میں بکھرے جو بال کروٹ سے
تو بوسے گالوں کے زلفیں بہانہ کے لئے"

ماشاء اللہ آپ کے اخلاق کی داد دینی چاہیئے
کہ کس جرأت سے اپنا کارنامہ تحریر کر رہے ہیں۔

اور اپنی حرکات پر نازاں بھی ہیں۔
۹۔ آپ کے حسرت نصیبیوں پر تو ہمارا بھی جی کڑھتا ہے۔ شب وصال نصیب تو ہوئی لیکن کسی عالم میں جس کا بیان نہایت رقت خیز ہے۔ گریبان چاک ہے۔ آنکھیں نمناک۔ دل سے سرد آہیں بھی نکل جاتی ہیں۔ ایک ہاتھ سینہ پر دھرا ہوا ہے۔ جو حسرتوں کا پتہ دے رہا ہے ہنایت پر یاس طرز میں فرماتے ہیں ـــــ آہ :۔

وصل کی شب ہی رہی وصل کی حسرت دلکو
حضور کچھ نہ پوچھئے :۔ تب وہ بیدار ہوے نیند سے جب رات نہ تھی ۔

خوب! رات تو یوں برباد کی اور اب رات کے ہونے پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔ اس سے فائدہ؟ "جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

۱۰۔ ایک اور داستان ملاحظہ ہو۔ جنہوں نے شب عید کی امید میں اپنی درازی عمر کی دعائیں مانگی ہیں۔ لاکھوں ارمانوں اور تمناؤں کے ساتھ تہیہ کرتے ہیں :۔

"وصل میں ہم خوب سا تم کو چکھائیں مزہ
خیر وفا گر کرے زندگی مستعار"

لیکن کیا توقع کہ جناب کی زندگی مستعار وفا کرے اور جو وفا بھی کرے تو اسکی کیا گیارنٹی ہے کہ شب وصال میسر آئے۔

۱۱۔ ایک اور ناکام محبت والفت میں جنکی سقیم حالت لایق مضحکہ نہیں تو قابل رحم وہمدردی ہے کیونکہ وہ ایک زمانہ کے شہابئے وصال افسانہ لطف و مسرت گوش گذار فرماتے ہیں۔ اور اپنے سیہ نصیبی کا موازنہ دوسروں کے خوش اقبال زندگی سے کرتے ہیں اور نہایت حسرت والم غایت تضرع کے ساتھ یوں فریاد الم بلند کرتے ہیں۔

"ملا ہوگا کسی کو باوفا کوئی مقدر سے
ملا ہوگا کسی کو وصل ہم تو عمر بھر ترسے"

حالانکہ آپ بقید حیات ہیں شائد غلبۂ محبت میں یہ تصور کر لیا کہ آپ انتقال فرگئے ہیں یا یہی مناسب سمجھا کہ پیشگی مرثیہ ہی کیوں نہ کہدیا جائے کہ دوسروں کو وقت پر آپکا مرثیہ کہنے کی فرصت نہ ملے یا خیال تھا :۔

"احسان نہ لے ہمت مردانہ کسی کا"

غرض کہانتک ایسی بپتا بیان قلمبند کی جائیں دلسوزی کیجئے تو احسان ورنہ دنیا تو محض ہنسنے اور ہنسانے کے لئے تیار ہے۔

لوزین کا ایک منظر

اٹلی کا تھیٹر

غزل

جناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز

جا لگا گم کردہ راہ وادیٔ غربت مجھے ❊ دے رہی ہے گردشیں کیا کیا مری قسمت مجھے

خود نمائی کا بھلا ہو وقت پر کام آ گئی ❊ غیر ممکن تھا نظر آتی تری صورت مجھے

ناز اٹھانے کے لئے مجھکو دیا خالق نے دل ❊ غیر کے احسان اٹھانے کی نہیں طاقت مجھے

ہوتے ہوتے ہو گئیں آسان ساری مشکلیں ❊ ملتے ملتے مل گیا سرمایۂ راحت مجھے

بے خیالی بیخودی واماندگی وارفتگی ❊ مل گئے ہیں یہ رفیق گوشۂ عزلت مجھے

اس محبت کا برا ہو بدگماں ہوں اسقدر ❊ دیکھتے ہیں آئینہ وہ ہوتی ہے حیرت مجھے

کون پہنچائے اسیروں کی خبر صیاد کو ❊ نالہ و فریاد کی بھی رہ گئی حسرت مجھے

دور منزل راہ پُرخم دل ضعیف و ناتواں ❊ اب خدا ہی دے تو دے رفتار کی طاقت مجھے

خواب ہی میں دولت دیدار ہو جاتی نصیب ❊ وہ نہیں تو نیند ہی آتی شب فرقت مجھے

خواہ باندھیں خواہ جکڑیں دل ٹھہرتا ہی نہیں ❊ زلف کا سودا ابھی ہے خالی ہیں وحشت مجھے

محو اس کی یاد نے کچھ کر دیا ایسا عزیز
آئے دن کی آفتوں سے ہو گئی فرصت مجھے

زوج من عود خیر من قعود

(حیات الشعراء وبنات الشعرا)

جناب سید غلام حسین صاحب آفاق ہاشمی

عرب کی آب ہوا شاعری اور درازی عمر کے لئے کچھ ایسی موافق آئی کہ دو سو سے زیادہ ایسے شعرا گذرے ہیں جنکی عمریں (۱۲۰) سال سے زائد ہوئی ہیں ۔

حرثان بن لوث بن حارث جسکا لقب ذو الاصبع تھا اپنے زمانہ کا ایک بہترین ادیب اور شاعر ہوا ہے نیز عرب کے ایک بڑے علاقہ کا جو یمن کے قریب ہے فرمانروا تھا۔ اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے (۲۳۹) برس بعد اور بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے (۳۳۹) سال قبل تھا ۔

زمانۂ جاہلیت میں اشعار جمع کرنے یا لکھنے کا عام رواج نہ تھا۔ لیکن قوت حافظہ اس بلا کی ہوتی تھی کہ دیوان کے دیوان دماغوں میں محفوظ تھے ۔ غالباً کتابوں میں بھی اتنے اشعار جمع نہ ہوئے ہونگے جو اوس زمانہ میں بعض دماغوں میں موجود تھے ۔

یوں تو شعر ہر ایک کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا حساً فکراً لساناً ہر وجود شاعر واقع ہوا تھا ۔ جب کبھی اور جہاں کہیں کسی جذبہ کا اظہار ہوتا تھا وہ اشعار کی صورت میں پھر لطف یہ کہ سننے والا اسکو اپنے دماغ میں محفوظ کر کے "جریدہ عالم" میں "ثبت دوام" کی مہر لگا دیتا تھا ۔

ذوالاصبع نے (۳۰۰) برس کی عمر
پائی تھی۔ جسکی چار لڑکیاں تھیں اتفاق دیکھئے
کہ چاروں کی جوانی کا آفتاب عروج سے
قبل زوال کی جانب مائل ہونے لگا۔ مگر
شادی کا سرانجام نہو سکا۔

ایک روز ان بہنوں نے تنہائی میں
جہاں یہ خیال تھا کہ ان کے جذبات سے
کوئی باخبر نہو سکیگا۔ یوں خیال آرائیاں
کیں۔ یہ ایک فطری جذبہ تھا جس کے
تحت وہ مصروف تکلم تھیں۔ ایک نے
دوسری کو ابھارا کہ مستقبل میں جب شادی کا
وقت آئے شوہر کن کن خصوصیات کا حامل
ہونا چاہئے۔ بڑی لڑکی نے فی البدیہہ یہ
قطعہ کہا۔ جیسا شعراء عرب کا دستور ہے۔

اَلَا هَلْ اَرَاهَا لَيْلَةً وَضَجِيْعُهَا
اَشَمُّ كَنَصْلِ السَّيْفِ مَهِنْد
عَلِيْمٌ بِاَدْوَاءِ النِّسَاءِ وَاَصْلُهٗ
اِذَا مَا انْتَمٰى مِنْ سِرِّ اَهْلِيْ وَمَحْتِدِ

ترجمہ:۔ کیا ہو سکتا ہے؟ کہ ایسی رات ہم دیکھیں
جسمیں شب باش ایسا شخص ہو جو تیغ ہندی
کی طرح اصالت کا سچا ہو۔ اور وہ عورتوں کی
دوائیں جانتا ہو۔ اور جس کا نسب ہمارے
خاندان اور کنبہ سے ملتا ہو

فی البدیہہ اور فصیح و بلیغ شعر کہدیا تو
عرب کے عورتوں اور مردوں کا ایک معمولی
سا کرشمہ تھا مگر ان اشعار سے شاعر کی ادبیت
اور اسکا جذبہ۔ اور عام اخلاقی حالت
اور حمیت کا اندازہ کرنے میں ایک تنقید
نگار کو ان خوبیوں سے منکر نہ ہونا چاہئے
"کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایسی رات نصیب ہو"!
اس سے ان جذبات کا اندازہ کیجئے جو ایک
ایسی جوان عورت کے دل میں ہوں جسکی
جوانی کا درخت پھولنے پھلنے سے پہلے
سوکھ رہا ہو۔ "جو عورتوں کی دوائیں جانتا ہو"
یہ فقرہ جذبات اور ادبی بلاغت دونوں کا
جامع ہے۔ اور اس کی ادبی جامعیت
یہ ہے کہ جن کے تعلقات عورت کے مرد کے
ساتھ آخر وقت تک رہتے ہیں سب پر
محیط ہے۔

میرے خیال میں فی البدیہہ اشعار کا
اسقدر بلیغ ہونا عرب کے امتیازات
خصوصی سے ہے یہ لڑکی جو ایک بادشاہ
ایک شاعر۔ اور عالی نصب ذوالاصبع
کے خون کی حصہ دار ہے کہتی ہے کہ اسکا
آیندہ شوہر وہ ہو جو اشم ہو۔ اشم کے اتنے
معنی ہیں کہ ایک لفظ میں اس کا اردو ترجمہ
نہیں ہو سکتا۔ اشم کا اطلاق حسب ذیل
مردوں پر ہوتا ہے۔

جو بلند جگہ پاتے ہوں۔ یا بالذات

بلند ہوں۔ اور بلند مرتبت ہوں۔ اور
وسیع النظر ہوں۔ اور جن کی دماغی قوتیں
زیادہ رسا ہوں۔ اور ہر کیفیت کے
جلد پہچان لینے والے ہوں۔ اور جہاں
تیغ ہندی سے مثال دی ہے وہ یہ کہ
صاحب جوہر ہو کر اور پختہ ہو۔ اور کوئی
تعجب خیز بات نہیں کہ ایک بہادر قوم
کی لڑکی یہ جانتی ہو کہ کونسے اسلحہ کس مالک
کے اچھے ہوتے ہیں۔ چوتھے مصرع میں
اس شریف زادی نے اپنے شوہر کے لئے
یہ شرط لگائی ہے کہ اسی کے خاندان سے
ہو جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک کوئی
نفسانی جذبہ اسکی خاندانی عزت و خودداری
پر غالب نہ آسکا۔

اُس سے چھوٹی لڑکی ان کے بعد
اپنے جذبات کی یوں ترجمانی کرتی ہے۔

أَلَا لَيْتَ زَوْجِي مِنْ أُنَاسٍ أُولِي عُلَى
حَدِيثُ الشَّبَابِ طَيِّبُ الثَّوْبِ وَالْعِطْرِ
لَصُوقٌ بِأَكْبَادِ النِّسَاءِ كَأَنَّهُ
خَلِيفَةُ جَانٍ لَا يَنَامُ عَلَى وِتْرِ

ترجمہ۔ اے کاش میرا شوہر میرے ہی
خاندان سے ہوتا اور اس کے دشمن
زیادہ ہوتے"۔ (حدیث الشباب کا
ترجمہ ناممکن ہے مفہوم آگے بتایا جائیگا)

خوش پوشاک اور خوشبو عورتوں کے
سینہ سے ایسا لپٹنے والا جس طرح یار پیچان
لپٹتا ہے اور جلد پیوندی کر لیتا ہے اور اس میں
یہ صفت بھی ہو کہ تنہا نہ سویا کرے۔
یہ لڑکی نازک خیالی میں اس سے زیادہ
اور خودداری میں کم ہے۔ کہتی ہے" میرا
شوہر ایسا ہو کہ اس کے دشمن بہت ہوں"
ہمت اور بلند حوصلہ کو دیکھئے کہ جو ذی مرتبہ
ہوتا ہے وہ محسود خلایق ہوتا ہے۔
اور جو شخص ردی حالت میں ہوتا ہے
اُس کا کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ دوسرے
مصرع میں کہتی ہے کہ "خوش وضع اور
خوش لباس ہو" جس سے رنگینی اور
فصاحت کا اندازہ ہوتا ہے اور طیب الثوب
کے "بعد العطر" ایسے موقع پر آیا ہے کہ
نحوی ترکیب کے تبدل و تغیر سے تین
معنی ہوتے ہیں۔ لباس۔ عمدہ اور عطر
قیمتی و نفیس ہو۔ لباس میں اس کی خوشبو
کے ساتھ عطر بھی لگا ہو خوش لباس اور
خوش وضع ہونے کے علاوہ خود اس کا جسم
بالذات معطر اور معنبر ہو۔ اسی مصرع میں
حدیث الشباب ایک ایسا بلیغ اور جامع
لفظ ہے جسکی تعریف نہیں ہوسکتی۔
حدیث الشباب کے حسب ذیل معنی
ہوتے ہیں ہے۔

وہ ذات جو منشا اشباب ہو یعنی شباب کو
ایک ذات مدرک سمجھیں اور اس کا مقصود
اصلی و منشا، یا نصب العین۔ اور لفظ
حدیث نوجوان۔ نوخیز۔ کم عمر۔ امرد کے
معنی میں کثرت سے مستعمل ہے۔ زیادہ
لطیف بات یہ ہے کہ کسی نووارد چیز کو
بھی حدیث کہتے ہیں۔ دوسرا شعر تو نیس
قیامت ہی کا ہے۔ کہتی ہے کہ "عورتوں
کے سینہ سے اس طرح ملصق۔ وصل۔
چسپاں اور ہم آغوش ہوتا ہو" جس طرح
مار پیچان لپٹا اور کستا ہے" یہ مضمون تمثیل
میں تو اپنی نظیر رکھتا ہی نہیں۔ مگر ہم آغوشی
کی آرزومندی کا ترجمان اس سے بہتر
میرے خیال میں ناممکن ہے۔ چوتھے
مصرع کا آخری جزو ایک عجیب و غریب
چیز ہے۔ "لا ینام علی وتر" جب سویا کرے
تو زوج اور جفت ہو طاق نہ ہو۔ اسکا
مفہوم محاورۃً یہ ہے کہ تنہا نہ سوئے مگر
لغوی نکتہ یہ ہے کہ ایک سے زیادہ عورتیں
نہ ہوں ؎

تیسری لڑکی جوان دونوں سے چھوٹی ہے کہتی ہے

اَلَا لَیْتَہٗ یَکْسِی الْجَمَالَ بَدِیْتِہٖ
لَہٗ جَفْنَۃٌ تَشْقَی الْمَعْزُ وَالْجُزُرُ
لَہٗ حَکَمَاتُ الدَّھْرِ مِنْ غَیْرِ کُبْرَۃٍ
تَشِیْنُ فَلَا فَانٍ وَلَا ضَرَعٌ غُمُرٌ

اگرچہ کہ اس نے اپنے شوہر کے لئے کوئی
نعت استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ضمیر سے کام
لیا ہے۔ اس اشارہ نے صراحت سے
زیادہ لطف دیا ہے۔ کہتی ہے "کاش
وہ ایسے ہوتے کہ ان کی مجلس صاف
ستھری، آراستہ و پیراستہ ہوتی۔ اور انکا
خوان طعام ایسا وسیع ہوتا کہ بکرے اور
اونٹ کے گوشت سے مملو ہوتا۔
اگر لفظ (معز و جزر) کے حرکات بدل دیئے
جائیں تو پھلوں اور خرموں کے معنی ہونگے۔
وہ ایسے ہوتے کہ دنیا کے حکیموں اور عقلمندوں
میں ایک فرد ہوتے۔ اور ان میں ناتجربہ
کاری اور اوچھاپن نہ ہوتا۔

چوتھی لڑکی فطرۃً کم گو ہے سب کے
رنگ ڈھنگ دیکھتی ہے۔ اور خاموشی سے
سب کی باتیں سنتی ہے جب سبھوں نے
ملکر اوس کو مجبور کیا اور طعنے دینے لگیں
کہ دوسروں کے بھید تو چپکے بیٹھی سنا کی
اور اپنے دل کا راز نہیں کہتی۔ تو اسنے
کہا کہ سنو بہنوں۔ میں شعر و شاعری تو کچھ
جانتی نہیں۔ مگر صرف اسقدر کہہ سکتی ہوں

(زَوْجٌ مِنْ عُوْدٍ خَیْرٌ مِنْ قُعُوْدٍ)

یعنی۔ لکڑی کا بھی شوہر ہو تو اس سے
بہتر ہے کہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر میں

بیٹھی رہے۔ نثر کے اس معمولی اور چھوٹے
فقرہ میں نفسیات اناث کا وہ فلسفہ ہے
اور جذبات و تاثرات کا وہ طوفان تھا۔
کہ ادھر خلوت سے نکلا اور عرب کے
تمام میدانوں اور شہروں میں پھیل گیا
اور اس وقت سے آج تک ضرب المثل
ہے۔ جو کوئی شخص اپنے داماد کی شکایت
کرتا ہے اور بیٹی کو گھر میں بٹھا لیتا ہے
جب لوگ اُسے سمجھانے آتے ہیں تو
وہ تمثیلاً کہتے ہیں: ”زوج من عود خیر من
قعود“۔ یا جس کا شوہر برا ہوتا ہے اور
اُس کی ہمجولیاں عورت کی ہمدردی میں
اُس کے شوہر کی برائی کر کے اس کے دل
کو ٹھنڈا کرنا چاہتی ہیں تو وہ شریف زادی
صاحب عفت کہتی ہے ”زوج من عود
خیر من قعود“ اور صرف یہی نہیں ہوا کہ
امثال عرب میں ایک مثل کا ادبی اضافہ
ہوا۔ بلکہ جو لوگ اپنی جوان لڑکیوں کی
شادی میں غفلت اور بے پرائی کرتے
تھے۔ وہ دفعتہً ہوش میں آگئے اور آج
بھی جس کو یہ جملہ یاد آجاتا ہے اور جسکے
گھر میں بیاہنے کے قابل لڑکیاں ہوتی ہیں
تو وہ چونک اُٹھتے ہیں اتفاق دیکھئے کہ
جس کمرہ میں یہ چاروں لڑکیاں مخلی الطبع
تھیں اسی سے متصل ذو الاصبع بھی موجود
تھا۔ اور خود بخود اس کے دل میں یہ خیال
آیا کہ انکی باتیں سننا چاہئے غرض ذوالاصبع
نے اول سے آخر تک سب کی داستانیں
سُنیں اور اس افشاء راز سے اتنا فائدہ
ہوا کہ چاروں کی بہت جلد شادیاں
ہو گئیں۔ اور حسن اتفاق یہ کہ ہر ایک کا
شوہر اونہیں کے خواہش کے موافق
ملا۔ جس لڑکی نے اپنے اشعار میں جیسے
صفات بیان کئے تھے انہیں اوصاف
کا شوہر بھی اُس کو ملا۔ زیادہ حیرت انگیز
واقعہ یہ ہوا کہ سب سے چھوٹی لڑکی جس نے
کہا تھا کہ ”لکڑی کا بھی شوہر ہو تو اس
سے بہتر ہے کہ ماں باپ کے گھر میں بیٹھی
رہے“۔ اسکو بھی ویسا ہی شوہر ملا۔
یعنی بالکل کاٹھ کا اُلو۔ جس کا حال
اُسوقت معلوم ہوا جب ایک برس
بعد ذوالاصبع نے اپنی سب لڑکیونکو
بلوا کر حالات دریافت کئے . . . .
ہر ایک نے اپنے اپنے شوہر کے اوصاف
بیان کئے۔ چھوٹی لڑکی اپنے شوہر کا
حال یوں بیان کرتی ہے کہ ”شرُّ زوجٍ
یُکرِمُ نفسَہ یُھِینُ عِرسَہا“۔ یعنی
بدترین شوہران ہے۔ اپنے آپ کو بنائے
چنائے رکھتا ہے اور بیوی کو ذلیل و خوار
اس موقعہ پر جبکہ نفسیات کا ذکر آگیا ہے

ہم اس عام خیال سے اپنا اختلاف ظاہر کردینا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی عورتیں شرم وحیا میں عرب کی عورتوں سے زیادہ ہیں۔ یہ ایک غلط خیال ہے واقعات بالکل اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ بلکہ جن امور میں عورتوں کو شرم کرنی نہ چاہئے اُن میں شرم کرتی ہیں اور عرب کی عورتیں اس کے برعکس ہیں۔ لیکن جذبات میں دنیا کی عورتیں مساوی ہیں۔

شاعر فلسفی سے

جناب علی اختر صاحب اختر

تری نگاہ ہے وابستۂ فریب نمود
بہ این رعونت پندار و ناز بینائی
جگا سکی نہ تجھے اے رہین خواب گراں
بہار کی چمن افروز نغمہ پیرائی
مٹا سکی نہ تری روح کی جبین سے شکن
فروغ ماہ میں لیلائے شب کی رعنائی
گرا سکی نہ کبھی بجلیاں ترے دل پر
سواد شب میں عروس سحر کی انگڑائی
تجھے نہ کیف کے رازوں سے کر سکا آگاہ
تبسم لب شیرین جمال برنائی
یہاں کہ ذرۂ خاکی ہے آفتاب فروش
یہاں کہ ریزۂ مینا ہے جام صہبائی
یہاں کہ سینۂ خس میں دواں ہے روح ہما
یہاں کہ رقص شرر میں ہے نور سینائی
تجھے خبر بھی ہے ناواقف سرشت حیات
کہ راز بیخبری ہے کمال دانائی

ہوا نہ صرف یقین رنگ احتمال ترا
تغیرات کی زد میں رہا کمال ترا

اگرچہ میں بھی ہوں گم کردۂ طلسم حیات
مجھے ہے آگہی مگر اس جہان کی بوالعجبی
یہ جانتا ہوں کہ ہے اک ادائے پرتو رنگ
تلاطم سحری ہو کہ خواب نیم شبی
ملا ہے فیض سے فطرت کے وہ دل آگاہ
کہ موج بادۂ عرفاں ہے میری تشنہ لبی
غلط نہیں ہے اگر ہو زراہ کیف جمال
خس ذلیل کو بھی دعوائے چمن نسبی
کشش ہے کس کی کہ از ماہ تا بہ ماہی آب
ہر ایک ذرہ ہے آسودۂ فنا طلبی
ملے جو ساغر زہر آب مسکراتا ہوں
کہ اس میں پاتا ہوں میں روح آتش عنبی
کسی کا عکس ہے نبض حیات کی جنبش
یہ کائنات ہے ہم رنگ شیشۂ حلبی
مجھے تلاش ہے جس کی وہ مل چکا ہے مجھے
بہ این خسارت رندی و شان بے ادبی

ہجوم دہر میں سرگرم اہتمام ہوں میں
فنا پذیر ہے تو طالب دوام ہوں میں

دیواری چہرہ

جناب سید محمد ہادی صاحب جعفری

کل شام ہم قیصر کے بنگلہ میں بیٹھے گپ شپ میں مصروف تھے۔ اور ہر ایک جن و بھوت کے قصہ بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا اور یہ کوشش ہو رہی تھی کہ ایک دوسرے سے زیادہ حیرتناک اور تعجب خیز ہو۔

سعید نے اپنے نازک ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے ایک بہت ہی دلچسپ قصہ بیان کیا۔ جعفر اپنا چھ فٹ کا دراز قد لئے ایسا خوفناک قصہ سنایا کہ میری تو روح کانپ گئی۔ قیصر نے اپنے لانبے اور بدوضع دانتوں کو ہونٹوں سے دبائے ہوئے ایک بھونڈا سا قصہ سنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ان قصوں کو سن سن کر ڈر رہا تھا اور منہ ہی منہ میں قرآن شریف کی سورتیں دہرا رہا تھا۔ کیونکہ مجھے ایسے قصوں سے ہمیشہ ڈر لگتا ہے۔

جعفر کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تشریف لائے تھے لیکن وہ نہایت متانت اور خاموشی کے ساتھ ان قصوں کو بے حد دلچسپی سے مسکراتے ہوئے سن رہے تھے۔

قیصر نے انھیں مخاطب کر کے کہا "کیوں جناب آپ نے بھی کبھی کوئی ایسا تعجب خیز واقعہ دیکھا یا سنا ہے؟"

کچھ دیر تو وہ خاموش رہے۔ پھر یوں کہنے لگے۔ ہاں! قصے اور کہانیاں۔ تو نہیں مگر بلکہ ایک حیرتناک واقعہ خود مجھ پر گذر چکا ہے۔

یہ سنکر سب ہمہ تن گوش اون کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ اپنی روداد بیان کریں۔ سبھوں کا اشتیاق بڑھا اور اونھیں مجبور کرنے لگے کہ اپنا واقعہ بیان کریں۔ اور میرا جی تو یہی چاہتا تھا کہ وہ خاموش ہی رہیں تو بہتر ہے کیونکہ ایسے قصے اور واقعات

سننے کے بعد میری راتیں عموماً کرب و بیقراری
کے نذر ہو جاتی ہیں اور ایک لمحہ کو بھی پلک
جھپکتی نہیں۔
مگر احباب کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔
مجبور ہو کر وہ بیان کرنے لگے۔
"ایک سال ہوتا ہے یا کچھ زیادہ
ٹھیک تاریخ یاد نہیں میں "ویکاجی" ہوٹل
کے کمرہ نمبر(۲) میں مقیم تھا۔ اس کمرہ کی دیواریں
رنگین تھیں بارش اور امتداد زمانہ کی وجہ
سے بعض کا رنگ کسی قدر پھیکا ہو گیا تھا
اور بعض مختلف لکیریں آڑھے ٹیڑھے
پڑی ہوئی تھیں۔ انھیں لکیروں میں صاف
طور پر ایک انسانی چہرہ گھورتا ہوا دکھائی
دیتا تھا۔ اور یہ چہرہ کچھ ایسا عجیب و غریب
تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے۔ پھرتے میری
آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ
مجھے یقین ہو گیا تھا کہ حقیقت میں وہ کوئی
فرضی نقش نہیں ہے بلکہ کوئی جیتا جاگتا
انسانی چہرہ ہے۔ جو دیوار سے جھانک
جھانک کر میری حرکات کی نگہبانی کر رہا ہے۔
اتفاق دیکھئے کہ اسی زمانہ میں انفلوانزا کا
کچھ ایسا زور ہوا کہ میں بھی اس کی زد سے
بچ نہ سکا۔ اب میرے ذمہ کوئی کام تو تھا
نہیں۔ پلنگ پر لیٹے ہوئے اسی چہرہ کو
گھورا کرتا تھا مجھے اُس چہرہ سے کچھ ایسی دلچسپی
ہو گئی تھی کہ بغیر دیکھے چین بھی نہ آتا تھا کیونکہ
اُس چہرہ میں ایک خاص کشش تھی۔ پیشانی
دبی ہوئی۔ ناک کسی جانور کے چونچ کی طرح
نکلی ہوئی۔ غرض ہر شئے نرالی۔
کچھ زیادہ دن میری علالت میں نہیں گذرے
کہ میں بھلا چنگا ہو گیا۔ مگر لطف یہ کہ اس
عرصہ میں اوس کے چہرہ کے خد و خال میرے
دل و دماغ میں اور بھی مرتسم ہو گئے۔ اور
مجھے اس درجہ یقین کامل ہو گیا کہ دنیا میں
ایسے چہرہ کا ہونا لازمی ہے اب مجھے
اوس سے ملنے کی آرزو پیدا ہو گئی۔ میں
گلی کوچوں میں بیکار پھرنے لگا۔ جہاں کہیں
فٹ بال۔ ہاکی۔ کرکٹ۔ کے میچ ہوتے
ہیں اوسکی تلاش میں نکل جاتا۔ نام پلی اسٹیشن
کی گشت تو میرا روزانہ کا معمولی مشغلہ تھا۔
میری تلاش اب اس درجہ پہنچ گئی تھی کہ
اب احباب مجھے پاگل۔ دیوانہ۔ سودائی
کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ جسقدر مجھے
اس سے ملنے میں یاس ہوتی گئی میرا شوق
جستجو اور بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک روز
"چار مینار" کے پاس میں بغیر کسی ارادہ کے
یوں ہی سر گشت لگا رہا تھا کہ وہی چہرہ
ایک ٹانگہ میں بیٹھا ہوا گذر گیا۔ رنگ
سانولا۔ بال بالکل حبشیوں کی طرح سیاہ
اور بل کھائے ہوئے۔ اس کو تائید غیبی

سمجھی یا میری تلاش و جستجو کا دیرینہ نتیجہ۔
مین نے بھی فوراً ایک تانگہ کرایہ پر لےلیا
اور لگا تعاقب کرنے۔ وہ پھرتا پھراتا نام پلی
اسٹیشن پہنچ گیا۔ اور واڑی جنکشن کا ٹکٹ
خرید رہا ہے۔ ریل کا سگنل ہوچکا ہے
مین نے اپنے جیبوں کا جائزہ لیا تو کچھ
پیسے نکل آئے اور فوراً وقارآباد کا ٹکٹ
خرید لیا کہ آج اس منزل کو ٹھکانے لگانا
چاہئے مجھے اس شخص سے بات کرنے کا
موقع نہ ملا کیونکہ اس کے ساتھ اور بھی
بہت سے لوگ تھے۔
جب ریل وقارآباد پر ٹھہری تو مین
فوراً کود پڑا اس خیال سے کہ شائد وہ پلیٹ
فارم پر آئے! اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ
وہ بھی ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے اپنے ڈبے
سے نیچے اتر رہا ہے۔ اور پلیٹ فارم پر
مشغول تفریح۔ مین جرات کرکے اوسکے
قریب پہنچ گیا اور کہا "جناب معاف کیجئے گا
کیا آپ مجھے اپنے نام اور مقام کا کارڈ دے
سکیں گے"؟ پہلے تو وہ میرے اس سوال
پر کسی قدر حیران رہا پھر بغیر کچھ کہے سنے اپنے
جیب سے ایک نفیس کارڈ نکالکر مجھے
دیدیا۔ مین کارڈ لیکر ویٹنگ روم میں چلا گیا
میرا دماغ بیکار تھا۔ آنکھوں سے کچھ سوجھائی
نہیں دیتا تھا۔ جبکہ کارڈ پر "ویکاجی لکیت"
بمبئی" لکھا ہوا دیکھا۔
اسکے بعد نہ معلوم مجھے کب ہوش آیا
اور جب آنکھ کھولی تو "عثمانیہ ہاسپٹل" میں
بستر بیماری پر دراز ہوں۔ اسقدر قصے کے
بعد وہ صاحب خاموش ہوگئے اور ہم سب
متحیر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے
کہ کسقدر تعجب خیز واقعہ ہے۔؟
پھر یون بیان کرنے لگے! ہاں جب مین
بالکل اچھا ہوگیا تو پھر ویکاجی ہوٹل آگیا کیونکہ
اب مجھے اس لکیت سے ایک خاصی دلچسپی
ہوگئی تھی۔ اور جی چاہتا تھا کہ اوس کے
مزید حالات دریافت کئے جائیں۔ بمبئی کو
متعدد خطوط احباب کو لکھے اور کئی پارسیوں
سے دوستانہ مراسم بڑھائے اسقدر چھان بین
کا محض اسقدر نتیجہ نکلا کہ اوسکی ماں حیدرآباد
کی رہنے والی ہے اور وہ بمبئی کا مشہور
لکیتی ہے۔
ایک روز مین حسب معمول ہوٹل میں
اس چہرہ کو دیکھ رہا تھا آج مجھے اوس میں
غیر معمولی تغیر و تبدیل دکھائی دیا خیال
یہ ہوا کہ شائد فریب نظر ہے آنکھیں مل مل
کر دیکھنے لگا لیکن صورت میں یقینی تبدیلی
تھی۔ اب مجھے یہ فکر دامنگیر تھی کہ آخر اس
انقلاب کا سبب کیا ہوگا۔ دماغ کچھ کام
نہ کرتا تھا۔ دفع الوقت کے لئے روزانہ

"رہبر" خریدا پہلے صفحہ پر نہایت نمایاں حروف
میں لکھا تھا" کل صبح ایک پارٹی موٹر کے
ذریعہ بمبئی جا رہی تھی اثناء راہ میں شوفر کی
بے احتیاطی سے کار الٹ گئی۔ اور کئی
لوگ زخمی ہوئے جسمیں بمبئی کے مشہور تاجر
مسٹر ویکاجی بھی موجود تھے جنہیں شدید زخم
آئے ہیں"۔

میں فوراً ہوٹل واپس آیا پھر اوسی
چہرہ کا معائنہ کرنے لگا بتدریج اوس میں
تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ یہانتک کہ
وہ بالکل مٹ گیا۔ اب مجھے یقین ہوگیا
کہ شائد ویکاجی کا ضرور انتقال ہوگیا ہوگا۔
چنانچہ یہ دن اور رات نہایت بے چینی
میں کاٹی۔ دوسرے روز اخبار میں یہ المناک
خبر پڑھی" کل ویکاجی نے انتقال کیا"

ہم لوگ آپس میں کہنے لگے کہ واقعی
نہایت عجیب و غریب واقعہ ہے۔

ہاں! جناب میرے واقعہ میں تین چیزیں
تھی ہیں پہلے یہ کہ کیا بارش کی وجہ دیوار پر
ایک انسانی صورت اتر جائے دوسرے
اوس شخص کا نام بھی جگہ کے نام سے مناسبت
رکھتا ہو۔ ابھی سائنس کو زمانہ درکار ہے
کہ وہ ایسے معموں کو حل کرسکے۔

یہ کہکر وہ صاحب تو چلتے بنے اور اونکے
ساتھ جعفر بھی اوٹھ کھڑے ہوئے اور
ہم لوگ انہیں رخصت کرنے کے لئے نکلے
سے نیچے اوتر آئے!

جب یہ موٹر میں سوار ہوگئے اور موٹر
بڑھنے والی تھی تو سعید نے کہا ہاں جناب
آپ نے تیسری وجہ نہیں بیان کی۔

اہا! تیسری وجہ تو میں بھول ہی گیا
اب سن بھی لیجئے ورنہ قلق رہ جائیگا۔
حقیقت یہ ہے کہ میرا یہ ایک من گھڑت قصہ
ہے جسکو میرے دماغ نے آدھ گھنٹہ قبل آپکے
قصے سنتے ہوئے تراشا تھا کہ کچھ تو سامان
گپ شپ مکمل ہوجائے۔! زبان سے
یہ الفاظ نکلے۔ موٹر روانہ ہوگئی۔ اور
ہم لوگ بیوقوفوں کی طرح ایک دوسرے
کو گھورنے لگے۔

سعید نے کہا! آخر وہ تھے کون جنہیں جعفر
اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ افسوس تو
یہ ہے کہ اسوقت جعفر بھی موجود نہیں ہیں ورنہ
اونکی بری گت بنتی اس بہروپئے نے بری
طرح نیش زنی کی۔ میں فوراً سجدہ شکرانہ
ادا کیا کہ چلو یہ ایک فرضی فسانہ
تھا۔

جناب سید شرف الدین صاحب ساقی

مجازاً ہی سہی لیکن حقیقت کو عیاں کردے ؛ بس اب اے جذب الفت ختم بحث این و آں کردے

وہ ہرجائی ہے اے جذب تصور کام کر اپنا ؛ ہماری بیخودی کو پردہ دار لامکاں کردے

حریم ناز میں اتنا کرم کر جلوۂ جاناں ؛ بھلادے غم گساری رازداں کو بدگماں کردے

یہ وقت امتحاں ہے جلوہ فرمائی سے کچھ پہلے ؛ شکیبائی کو دزدیدہ نگہ سے نیم جاں کردے

ترے بیمار الفت کی اگر قسمت میں صحت ہو ؛ مداوا کا اثر یارب نصیب دشمناں کردے

بھٹک کر تیری الفت سے قدم گر جادہ پیما ہو ؛ مٹادے خاک کردے خاک گرد کارواں کردے

ریاض دہر میں کانٹوں سے بھی دل میں خلش گر ہو ؛ نشیمن کو الٰہی نذر برق آشیاں کردے

تری الفت کا دم بھرنے میں دم بھر کی جو غفلت ہو ؛ تو پیدا زیست کو پیغام مرگ ناگہاں کردے

مٹادے اعتبار زندگی کو جیتے جی مرے ؛ مرے قصہ کو ہم عنوان یاد رفتگاں کردے

فلک کی شعبدہ بازی سے عاجز آگیا ساقی

الٰہی رحم کر یہ برہم طلسم جسم و جاں کردے

اتنی بگڑی ہیں وہ مجھسے کہ اگر نام انکا
لکھتی کاغذ پہ ہوں اور حرف بگڑ جاتے ہیں

دل چاہتا ہے کہ ناسازی مزاج کا بہانہ کردوں یا ــــ عدم فرصت کا۔ مگر جھوٹ بولنے طبیعت نہیں چاہتی حقیقت ہی کیوں نہ لکھدوں ــــ؟ مگر حقیقت لکھنے اور سچ بولنے میں ڈر ہے کہ کہیں تغافل شعار' اور' بیوفائی' کا الزام عائد ہوجائے! تاہم ارسطو کے اس قول پر میرا بھی صاد ہے کہ جھوٹ بگاڑ دیتا ہے۔ بنا تو کچھ بھی نہیں سکتا اس لئے سچی بات تو یہ ہے کہ' چند دلچسپ پیچیدگیوں' دل پسند بے چینیوں' میں مبتلا تھی اس اثنا میں کئی دفعہ آپ کا اور آپ کے خطوط کا خیال تو آیا۔ مگر جواب لکھنے دل نہیں چاہتا تھا۔ محض اس لئے کہ اگر اسوقت جواب لکھتی تو نہایت بے ڈھنگی تحریر میرے قلم سے نکلتی۔ آپ کا یہ شعر:۔

وہ کون صاحب قسمت ہے آپ کا مہماں
مجھے تو رشک بھی ہے او سیہ التہاب بھی ہے

(آخر الذکر) درست نہیں کیونکہ آپ کو رشک کی ضرورت نہیں۔ رشک اوسوقت کرنا چاہئے جبکہ اک طرف کمی دوسرے طرف زیادتی ہو جائے۔ اور یہاں وہ معاملہ نہیں۔ کیونکہ آپ کے عنایت ناموں کی مہربان تحریرات مجھے ممنون رکھتی ہیں اور آپ کے نفیس وپاکیزہ تحفے ہمیشہ مجھے مسرور کرتے رہتے ہیں بے شک تصویر بھیجونگی مگر دیسی لباس میں نہیں مجھے دیسی لباس پہنتے

جھجک ہوتی ہے۔ تاہم اس کی کوشش کرونگی۔ جس بات کی عادت ہو جاتی ہے اس کا ایک لخت چھوڑ دینا مشکل ہے۔ چنانچہ یہ تصویر بھی فراک ہی میں بھیجونگی یا آپ چاہیں تو "فرکوٹ" میں۔

کیا آپ کہیں۔ سی۔ آئی۔ ڈی میں تو نہیں رہی ہیں؟ پھر یہاں کس کے ذریعہ میری خیریت دریافت کیجاتی ہے؟ جب آپ کو اتنے ذریعہ میسر ہیں کہ میرے حالات معلوم کریں تو یہ آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ گذشتہ دنوں میرے پاس کون مہمان رہے؟ میرے کیا کیا مشاغل تھے؟ کیوں ٹھیک ہے نا؟

میری تصویر ــــ؟ کو؟ نہیں۔ مت بھیجئے۔ البتہ دوسری جو میں بھیجونگی وہ ضرور بھیجنا۔ اسوقت میں وہ فرمائش نہیں کرتی اس کا وقت آئندہ ہے۔ مزید براں آپ مصر بھی ہیں۔ پھر کیوں کروں! آئندہ ہی۔

نوٹ پیپر کے لئے دل سے شکریہ۔ مگر ایسی تکلیف نہ فرمائیے۔ اس دفعہ آپ ہی کے کاغذ پر لکھتی ہوں میرے پاس اور آپ کے کاغذ موجود ہیں مگر ذرا کفایت شعاری سے استعمال کرتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دو تین دفعہ دوسرے کاغذ پر آپ کو خط لکھا۔

اسی وقت ایک پرندہ میرے دریچے کے پاس اس زور سے سیٹی بجا رہا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شوخ و شنگ لڑکی نہر کے کنارے بیٹھی پربط بجا رہی ہے۔

محترمہ .... کے خطوط آتے ہیں۔ جواب لکھونگی، پرسوں لکھونگی۔ آپ کے حالات و خیریت لکھئے۔ امید ہے کہ جواب کے دینے میں آپ مجھ سے انتقام نہ لیں گی۔ دیکھئے کیسا طویل خط لکھدیا۔ کبھی "تھینکس" صبح کے دس بج رہے ہیں دوپہر کے کھانے پر دو سہیلیوں کو مدعو کیا ہے۔ مجھے لباس تبدیل کرنا ہے نیند بھی آتی ہے۔ اس لئے ختم کرتی ہوں۔ پھر خیال ہوتا ہے کہ اتنی طویل مدت کی خاموشی کے بعد ۵ صفحوں کا خط کہیں کسی کے شعلہ مزاج کو بھڑکا نہ دے لیجئے خط شہاب نے سرما کی طرح طویل ہوگیا۔

اچھا عزیزہ ــــــــــ

خدا حافظ

نعت

جناب کپتن محمد اعجاز علی صاحب شہرت

جو ترے رتبے ہیں وہ سب انبیا رکھتے نہیں ؛ رفرف سبز و براق بادپا رکھتے نہیں

زینت دنیا ترے در کے گدا رکھتے نہیں ؛ فرش مخمل کیا ہے نقش بوریا رکھتے نہیں

آرزوئے دولت فانی و خوف روز حشر ؛ ہم غلامان حبیب کبریا رکھتے نہیں

انکے دل سے پوچھ جو واقف ہیں لطف عشق سے ؛ درد رکھتے ہیں مگر فکر دوا رکھتے نہیں

دامن سلطان عالم چھوڑکر جائیں کہاں ؛ ایسی نیت یہ غلام باوفا رکھتے نہیں

ناز دولت پر نہیں زیبا ہے اے اہل دول ؛ آپ ہی بندے ہیں شاید ہم خدا رکھتے نہیں

ہے عمل مدت سے یک در گیر و محکم گیر پر ؛ ہم ٹھکانا جز در خیر الوریٰ رکھتے نہیں

دولت مدح محمد نے بنایا ہے غیور ؛ ہیں گدا لیکن کسی سے التجا رکھتے نہیں

جو مقدر کا ہے وہ مل جائیگا شہرت خموش
تابع مرضی مالک مدعا رکھتے نہیں

بولتی تصویر

جناب مرزا اسلیم بیگ صاحب

برلن میں تعلیم کی مصروفیت کی وجہ سے مجھے اتنا موقع نہیں ملا کہ وہاں کے تھیٹروں اور سینماؤں کو دیکھتا۔ ایک دفعہ ایک تھیٹر میں بولتی فلم دیکھا اور کچھ نہ سمجھا۔ ایک دفعہ ونٹر گارٹن تھیٹر میں گیا۔ یہ بہت خوبصورت اور وراثی تھیٹر ہے اور بڑے تکلف سے سادگی کے ساتھ سجا ہوا ہے۔ اس کو بھی دوسری دفعہ نہ دیکھ سکا۔ برلن کے بعد میں لندن گیا۔ یہاں مجھے کوئی کام نہ تھا۔ مگر اتفاق سے چھ ہفتے تک لندن میں میرا قیام رہا۔ اس عرصہ میں کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرا کہ میں نے روانگی کا قصد نہ کیا ہو اور کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے اس ارادہ کو ملتوی نہ کرنا پڑا ہو ساتھ والوں کے اصرار یا تنہائی کے خیال نے مجھے میرے ارادہ میں کمزور ہی رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں اسپین نہ جا سکا اور پیرس کو بھی دل بھر کے دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی۔ قادری صاحب زور اور شوکت اللہ صاحب کی عنایتوں کا ممنون ہوں کہ انہوں نے تھوڑے وقت میں مجھے پیرس کا بہت کچھ حصہ دکھا دیا۔ شوکت اللہ صاحب اور قادری صاحب روزانہ اپنی علمی انہماک کے باوجود تھوڑا تھوڑا وقت مجھے دیتے اور سیر کرا دیتے تھے یہ یورپ سے واپسی پر میں ان دوستوں کی مہربانیوں کا خیال کر کے اب بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ یورپ کی سیاحت سے جو

درجہ امتیاز مجھ میں پیدا ہوگیا ہے وہ اظہار
شیفتگی کے لئے کافی ہے۔ یورپ کے اور
ممالک میں تو ٹاکی پکچر یا بولتی تصویروں کا
کچھ زیادہ رواج نہیں البتہ لندن و جرمنی
میں اس کا بہت چرچا ہوگیا ہے۔ ہندوستان
میں بھی بڑے بڑے شہروں میں اس کا
زور ہوتا جا رہا ہے۔ انگریزی زبان کے
گانوں سے ہندوستان میں وہ دلچسپی
نہیں ہے جو اردو زبان کے گانوں میں
ہے۔ پھر بھی ہندوستان میں وہ شوق
نہیں ہے جو لندن کے لوگوں کو ہے۔
پیرس اور برلن میں بھی زیادہ تر تھیٹر اور
ڈیرامے کو ہی پسند کیا جاتا ہے۔ یورپ
جانے سے قبل ہندوستان میں بولتی
تصویریں دیکھنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا تھا
اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی اس کا
موقع نہ ملا جرمنی میں ایک مرتبہ گیا تھا۔
زبان کی ناواقفیت کی وجہ کچھ دلچسپی نہیں
ہوئی۔ لندن میں سینما یا بولتی تصویریں
دکھانیکا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ بریک
فاسٹ سے رات کے بارہ بجے تک تھیٹر
کھلے اور تماشہ ہوتا رہتا ہے جس وقت
جی چاہے ٹکٹ لو اور اپنا پروگرام پورا
کرلو۔ یعنی اگر آدھا تماشہ ہوچکا ہے تو
آدھا دوسرے پروگرام میں دیکھو ایک
پروگرام ہر تھیٹر میں کم از کم ایک ہفتہ ضرور
چلتا ہے بعض قیمتی اور مقبول فلم تین تین اور
چار چار ہفتے تک دکھائی جاتی ہیں شرح
ٹکٹ کم از کم معمولی تھیٹروں میں ایک شلنگ
ہوتا ہے۔ بغیر بولنے والی تصویروں کا رواج
نسبتاً بہت کم ہوگیا ہے البتہ روزمرہ کے
واقعات معمولی خبروں کی حیثیت سے
بتادئے جاتے ہیں ورنہ عموماً ڈرامے
بولنے والی تصویر کے ہی ہوتے ہیں ڈرامہ
تھیٹر عموماً علحدہ ہوتے ہیں ان میں ناچ
گانا۔ باجا اور شعبدے وغیرہ ہوتے ہیں
شوقینوں کا اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ ٹکٹ
ملنا دشوار ہوجاتا ہے بڑے بڑے تھیٹروں کے
ڈیوڑھی میں تین تین گھنٹے تک ٹکٹ خریدنیکا
انتظار کرنا معمولی بات ہے۔ لڑکے
لڑکیاں اپنے دوستوں کا یہیں
انتظار کرتے ہیں اور عموماً ایسے ہی مقام
ملاقات کا مرکز قرار پاتے ہیں۔ ٹرام موٹر بس
اور زمین دوز ریلوں نے مشرق و مغرب
کے دوستوں کو ان تھیٹروں میں ملاقات
کی سہولتیں بہم پہنچادی ہیں۔ میں نے
کسی مرد کو تنہا تھیٹروں میں جاتے ہوئے
نہیں دیکھا۔ تھیٹروں میں آنے والونکی
سہولت اور جگہ کے انتظام کے لئے خوبصورت
نازنین جوان لڑکیاں وضعدار لباس پہنے

دروازے پر کھڑی رہتی ہیں جو نمایش بینونکو بجلی کے بلبوں سے راستہ بتاتی اور جگہ پر لیجاکر بٹھادیتی ہیں۔ یہی لڑکیاں سگریٹ لیمونیڈ۔ چاء۔ کافی۔ اور چاکلیٹ بھی لادیتی ہیں اور انہی کے ذریعہ تماشہ کا پروگرام بھی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ لڑکیوں کا لباس عمارت کی مناسبت یا تھیٹر کے کروفر کے لحاظ سے ہوتا ہے بعض تھیٹروں میں یہ لباس موسم کی مناسبت سے رکھا جاتا ہے ہر جگہ عورتیں ہی منتظم ہوتی ہیں اور ہر جگہ لڑکیوں سے ہی واسطہ پڑتا ہے۔ ہر کاروباری جگہ پر عورتیں ہی پیش پیش ہوتی ہیں مگر تھیٹروں سینماؤں اور ہوٹلوں میں ان کی تعداد زیادہ اور دلچسپ ہوتی ہے۔ حال ہی میں لندن سے جو پیدائشی اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں اُن کے لحاظ سے غالباً عورتوں کی یہ افراط نہ رہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ آیندہ زمانہ میں بیویاں بھی بمشکل میسر آئینگی اس لئے ممکن ہے کہ عورتوں کے کام بھی مردونکو ہی کرنے پڑیں۔

تھیٹروں میں بھی عورتوں کا وجود اضافۂ آمدنی کا باعث ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ تفریح کو ہر حالت میں مقدم سمجھتے ہیں اور بیکار وقت کو ایسے ہی مشاغل میں گذاردیتے ہیں۔ بالخصوص تھیٹروں میں جہاں وقت کا کوئی تعین نہیں ہے۔ پکاڈلی اور ہیمارکٹ کے تھیٹر شرح ٹکٹ کے لحاظ سے گراں ہیں ہجوم بھی زیادہ ہوتا ہے۔ پروگرام بھی دلچسپ۔ عمارتیں بھی شاندار ہیں اور اچھی طرح سجی ہوئی ہیں مگر برلن کے ونٹر گارٹن تھیٹر کو نہیں پہنچتیں پیرس کے فولی برجر اور اوپرا کی خوبیاں کچھ اور ہیں۔

لندن میں بولتی تصویر دیکھنے کا مجھکو کئی دفعہ اتفاق ہوا پہلی مرتبہ لندن میں ڈومنین تھیٹر گیا۔ جہاں فینٹم آف دی اوپرا ہو رہا تھا۔ یہ فلم دو ماہ قبل سے ہو رہا تھا اور جبتک میں وہاں رہا یہی فلم ہوتا رہا۔ لوگوں کی کثرت سے بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی ڈھائی شلنگ کا ٹکٹ لیکر دروازہ پر پہونچا ایک خوش رو آبی لباس والی لڑکی نے بجلی کے جیبی لیمپ سے میرا استقبال کیا۔ کوٹ اور ٹوپی پر قبضہ کر کے اوسکا ٹکٹ میرے حوالے کیا۔ دن کے دو بجے تھے بازارو میں دھوپ تھی مگر تھیٹر کے اندر سخت اندھیرا تھا۔ اپنے خوش لباس رہبر کی رہبری سے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت و مرد بھرے ہوے تھے مگر کسی کی سانس کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ یورپ میں کھانا

تھوکنا یا زور سے بات کرنا سخت معیوب خیال
کیا جاتا ہے۔ ہر جگہ اس کی ممانعتی تختیاں لگی
ہوئی ہیں۔ یہ تہذیب ہندوستان میں یہ سب
عیب ہوتے ہیں۔ ہندوستانی بلاوجہ کھانستا
ہے۔ بے ضرورت تھوکتا ہے۔ خواہ مخواہ چیخ کر
بولتا ہے۔ اس لئے کالے آدمی سے یورپین
تہذیب کی پابندی بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔
غنیمت ہے کہ یورپ میں ہندوستانی کو پان
نہیں ملتا۔ اگر کہیں ہوائی جہازوں نے اس میں
سہولت بہم پہنچائی تو خدا معلوم یورپ میں تھوکنے
کی ممانعت میں کیسے قوانین نافذ ہوں۔ اور
ہندوستانیوں کے راستہ اس طرح روکے جائیں
جیسے چوہوں کے روکنے کے لئے جہاز کے رسوں
پر ٹین کے ڈبے لگائے جاتے ہیں۔ پیرس کی
سوربن یونیورسٹی دیکھکر مجھے اکثر یہ خیال آیا کہ
افسوس یہاں پان کھاکر کوئی ہندوستانی نہیں
گذرا ورنہ ایسے چکنے اور صاف در و بام بغیر
پیک کی افشاں لئے نہ رہتے۔ ایسے
مقامات پر چلنے کے لئے ہندوستانیوں کو
اشتہار۔ اخبار۔ یا کاغذی رومال جیب میں
رکھنے پڑتے ہیں۔ بار خاطر ہو مگر جیسا دیس
ویسا بھیس کے خیال سے کچھ نہ کچھ پابندی
کرنی ہی پڑتی ہے۔ تماشہ تو شروع ہو چکا
تھا تماشبین محو تماشہ تھے۔ ایسے وقت میں
میری آمد نے ذراسی جنبش لوگوں میں پیدا کردی

اور پھر وہی سکون ہو گیا۔ سائنس کی اس
عجیب و غریب ایجاد پر ذکاوت و ذہانت
کی داد دینی ہی پڑتی ہے۔ انسان اس کو
دیکھکر محو حیرت بنجاتا ہے۔ ٹاکی پکچر یا بولتی
تصویر کو نہایت غور سے دیکھنے پر بھی لب و
دہن کی حرکات کا آواز سے کوئی اختلاف
نہیں معلوم ہوتا۔ یہ یقین ہوتا ہے کہ تصویر
بول رہی ہے۔ اور تصویر گا رہی ہے
اور تصویر کی حرکت سے آواز پیدا ہو رہی ہے
گہری توجہ سے اسکو دیکھا سنا اور غور کیا۔
تامل کے ساتھ سمجھا بھی اور لطف اندوز بھی
ہوا۔ مگر بولتی تصویر کو میں اپنے خیال میں
جو کچھ سمجھے ہوے تھا وہ نہ تھی۔ بولتی تصویر
کی گویائی میں اصلی آواز کی لطافت۔ بات
چیت کی شیرینی۔ تکلم کا سحر یک قلم مفقود تھا
آواز میں جھنجھناہٹ اور کرختگی محسوس
ہوتی تھی۔ بعض اوقات تو یہ معلوم ہوتا
تھا کہ بولنے والی تصویر کا گلا غیر معمولی طور
پر بیٹھا جا رہا ہے۔ گویا پھندا پڑ گیا ہے یا
آواز میں پستی آ گئی ہے۔ مجھے یہ تصویریں
اچھی بھی معلوم ہوتی تھیں اور بری بھی
ان تصویروں میں یورپ کا تمدن ہندوستان
کے لئے بہت کچھ دلکشی رکھتا ہے اور یہی
دلکشی مجھے بار بار ان تھیٹروں میں لیجاتی
تھی۔ ہندوستان میں بھی اردو کی بولتی فلم

آنے لگی ہیں۔ اور بعض بعض اپنے فوٹوگرافی
کے لحاظ سے بھی عمدہ ہیں۔ گانے والے بھی
ہندوستان کے مشہور رکھے ہیں برلن اور
لندن کی بولتی تصویریں ممکن ہے کہ زبانی
مشکلات کی وجہ سے دلچسپ نہ ہوسکیں
مگر اردو کے فلم میں یہ مشکل باقی نہیں رہتی
اور گانا۔ بات کرنا وغیرہ بآسانی سمجھ میں
آسکتا ہے۔ مگر آواز کی تصنع اور آواز کی
گونج اور ان سب پر نازک ایکٹروں کے
ساتھ سخت آواز کا اختلاف تنفر بھی پیدا
کردیتا ہے۔

کئی دفعہ یہ تصویریں دیکھیں تھیٹر
کے شوق میں دیکھیں۔ دوستوں کے
اصرار سے دیکھیں۔ کبھی تھیٹروں میں بلایا
گیا اور کبھی یوں تھیٹروں میں جانا پڑا۔
اپنی خوشی سے بھی گیا اور ان کی خوشی بھی
پوری کی "برائے خاطر یاران نواں کشید شراب"
پر عمل کرکے خوش و ناخوش ان تصویروں کی
داد دیتا ہی رہا اور ہمیشہ ان تھیٹروں سے
وہ اثر لیکر اٹھا جو آج کل کی عام دلچسپی
کے بالکل مغائر ہے مگر مجھے اس کے
اظہار میں آزادی ہے میں ان تصویروں کو
کسی طرح رقص و سرود کا بدل نہیں سمجھتا
بولتی تصویر طبع نازک و مذاق سلیم کے لئے
ایک بار ہے اور اوس سے واقعی تفریح
حاصل کرنا قطعی غیر ممکن ہے البتہ اس ایجاد
کو اگر کاروباری زندگی تک محدود رکھا جائے
تو کارآمد بھی ہو اور مفید بھی۔ بولتی
تصویر کو بالکل گراموفون یا لاؤڈ اسپیکر
تصور کرلیجئے۔ فرق صرف اتنا ہے
کہ اگر گراموفون یا لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ تصویر
نظر نہیں آتی۔ جس طرح گراموفون کے
رکارڈ کا گانا فطرت کی نقالی ہے اوسی طرح
بولتی تصویر کی آواز طبع سلیم کو کوئی مسرت
نہیں بخشتی۔ موسیقی کی اس نقالی سے جذبات
انسانی پر تخیل مضراب کی وہ چوٹ نہیں پڑتی
جو حقیقی گانے میں تار ہائے نظر اور پردہ ہائے
دماغ سے مترنم ہوتا ہے۔ اگر آپ کو ابتک
بولتی تصویر دیکھنے اور سننے کا اتفاق نہیں
ہوا ہے تو آواز کے انداز کو۔ آواز سے ترنم
کو گراموفون کی آواز تصور فرمالیجئے۔ جس میں
مشین کی گھڑگھڑاہٹ سوئی کی سرسراہٹ
اور پونگی کی جھنجھناہٹ نغمہ کی "صوت الحمار"
بنا دیتی ہے میں نے گراموفون کو کبھی
شوق سے نہیں سنا۔ اور نہ اوس کے
گانے میں مجھے لطف آیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ
مذاق لطیف کو اس آواز سے کس طرح
مسرت و تفریح حاصل ہوسکتی ہے۔ گراموفون
کا گانا ایک بے وقت کی راگنی ہے جس سے
کسی طرح شوق پورا نہیں ہوسکتا۔

معلوم نہیں کہ وہ لوگ جو گانے سے واقعی دلچسپی رکھتے ہیں یا گانا اور گانے کے زیر و بم سے واقف ہیں وہ گراموفون کی مشین اور اوس کے ریکارڈ سے جس میں شئے لطیف کا شائبہ بھی نہیں کیوں مذاق لطیف کو برباد کرتے ہیں۔ اس تکمیل شوق کے طریقہ کو اگر فیشن کی پابندی کہا جائے تو نامناسب نہیں ہے فیشن کی پابندی یا شوق کی تکمیل اگر رقص و سرود کے محفلوں سے صاحب گراموفون کو بے نیاز کردے تو بولتی تصویر۔ لاؤڈ اسپیکر اور گراموفون ا کو بجا طور پر شوق سے سزاوار کہا جا سکتا ہے۔ گراموفون یا بولتی تصویر قدرتی اور فطرتی جذبے پر اگر قدرت حاصل کرلے تو یقیناً اس ایجاد کو قائم مقام کہا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہے اور ریکارڈ ایک دو یا دو چار مرتبہ سننے کے بعد دل سے اتر جاتا ہے۔ اور پھر کبھی سننے کو دل نہیں چاہتا اور دوسرا خریدا جاتا ہے ہر مہینے ضرورت اور بے ضرورت گراموفون کے ریکارڈوں کی خریداری ہوتی رہتی ہے پچھلے ریکارڈ خراب ہو جاتے یا دل سے اتر جاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک معقول ٹیکس صاحب گراموفون کو ہر مہینے ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہی حال تقریباً فوٹوگرافی کے شوق کا ہے۔ جس میں روز بروز نئی نئی قسم کے اخراجات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

مجھے فن کی حیثیت سے نہ تو فوٹوگرافی پر اعتراض ہے اور نہ میں ڈاک کے ٹکٹوں کے انتخاب یا مونوگرام کے نمونے جمع کرنے کا مخالف ہوں۔ شوق اور تکمیل شوق میں یقینی اخراجات عائد ہوتے ہیں اور ہر شوقین اپنے شوق پر کچھ نہ کچھ خرچ کرتا ہی رہتا ہے مگر جیتی جاگتی تصویروں کا نعم البدل گراموفون یا بولتی تصویر کو بنانا حریص طبائع کے لئے ہی موزوں ہے۔

سائنس کی بولتی تصویر شاعر کے مجازی شوق سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جسطرح گراموفون محفل رقص و سرود کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اوسی طرح بولتی تصویر قدرتی گویائی کی لطافت حسن ادا کی خوبی جذبات کا اثر۔ ترنم کا اُتار چڑھاؤ نہیں پیدا کر سکتا۔ مشین کے کل پرزے مضطرب دلوں کو تسکین نہیں دے سکتے۔ مشتعل جذبات کو سکون نہیں ہو سکتا۔ نغمہ میں لطف۔ ترنم میں دلکشی نہیں ہوتی۔ گانے اور ساز کی آواز اسقدر بلند ہو جاتی ہے کہ گلے کی لطافت باقی نہیں رہتی۔

سینما کی تصویریں حکایت۔ افسانہ یا واقعہ کی صورت میں جس قدر دلچسپی رکھتی ہیں

اوران میں ایکٹروں کے کمال کا اندازہ کرنے کا جو موقع ملتا ہے وہ بولتی تصویروں میں نہیں ملتا۔ بولتی تصویر اپنی جدت کے لحاظ سے ضرور قابل تعریف ہے مگر وہ اس کی مستحق نہیں کہ اپنے مشاغل کا عزیز وقت ایسے بے لطف گانے میں صرف کردیں۔ اور دل و دماغ کو کسی قسم کا نہ تو آرام ملے اور نہ کوئی تفریح ہو۔

مغربی زبانوں کی بولتی فلم دیکھنا تو بالکل عبث ہے مگر اردو کے بولتی تصویریں بھی اس قابل نہیں ہیں کہ روپیہ اور وقت صرف کیا جائے۔ خاموش فلم دیکھنا بہت غنیمت ہے اور یہ ایک حد تک دلچسپ ہوتی ہیں ان دونوں قسم کی تصویروں کسی فرصت کے وقت پر غور فرمالیجئے۔ اور اپنی تفریح کے لئے ان دونوں میں سے کسی کو منتخب کرلیجئے اور بس

تاثرات

(جناب میر رضا علی صاحب ارمان تحصیلدار)

کیوں نام ترا ہر دم دل میرا لیا چاہے
کیوں ترے تصور کو ہر وقت جیا چاہے

میں چاک کروں دامن پر اس سے کیا
کیوں مرے گریباں کو پھر کوئی سیا چاہے

اے جذبۂ دل اچھا دکھلایا اثر تو نے
دیدار کو ترسیں ہم غیروں کو پیا چاہے

دیکھا جو کبھی اس نے پہروں رہے بیخود تم
کیا حال تمہارا ہو ارمان جو پیا چاہے

جناب حکیم بہبود علی صاحب صفی اورنگ آبادی

گھڑی بھر بھی جو ہم نے آپ کو کچھ مہرباں پایا ؛ تو گویا ساری دنیا مل گئی سارا جہاں پایا

تمہیں پایا ہے میں نے جب کبھی کچھ بدگماں پایا ؛ بتاؤ تو سہی ایسا کہاں دیکھا کہاں پایا

خدا کی شان تھی کچھ بھی نہیں اور سب کچھ تھا ؛ سمجھ کھولی تو ہم نے ایک ایسا بھی جہان پایا

رہا بے لاگ بھی ایسا جسے بے لاگ کہتے ہیں ؛ مگر قسمت سے جب پایا کسی کو بدگمان پایا

نہیں ہے کیوں تری چشم کرم ہم خاکساروں پہ ؛ نہیں ہے یہ تو نیچا دیکھنا او آسمان پایا

دیا آرام تم نے دوستی میں میں ہی جھوٹا ہوں ؛ تمہیں سچے چلو بس جاؤ پایا مہربان پایا

گمان ہوتا ہے رہ رہ کر ہنسی آتی ہے رک رک کر ؛ کہ اپنے گھر کسی کے پاؤں کا ہم نے نشان پایا

بتاؤں تو کسی کو قدر اوسکی کیا بتاؤں میں ؛ یہاں دنیا میں کھویا جسکو عقبیٰ میں وہاں پایا

صفی اب انسے اوں سے کیا کہوں کیفیتیں دل کی

اوسے دیکھا جہاں دیکھا اوسے پایا جہاں پایا

دنیا میں کیا چیز ہنسنے کے قابل ہے؟
یہ تو بڑی سخت و دشوار گذار منزل ہے!!
انسان پیدا ہوتا ہے تو کس مصیبت سے دنیا میں آتا ہے!! اور پھر پیدا ہوتے ہی اس ہنسنے سے دل پر ایسی چوٹ لگتی ہے کہ بے اختیار رونے لگتا ہے، ــــ پھر کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلتا!!
زندگی ــــ اُف! کیا یہ لفظ "زندان" سے اخذ نہیں کیا گیا؟
زندگی مہد سے لحد تک اموات کا ایک پر تکلف جلوس ہے ــــ جو لوگ اسکے موثر رسومات میں شریک ہو کر ہنستے، شور کرتے، اور قہقہہ مارتے ہیں ــــ مجھے انکی صورتوں سے نفرت ہے!!
مجھے اترے ہوئے چہرے، دردناک آوازیں، آبدیدہ نظریں، آہ سرد اور سوگوار لباس بہت پسند و مرغوب ہیں!!
کھاتے وقت میرے پیش نظر ہمیشہ بد ہضمی کا مسئلہ رہا ــــ شاید اسی لئے مجھے کھانا کبھی ہضم نہوا ــــ تیرتے وقت اکثر یہی خیال دامنگیر ہو جاتا کہ اب ڈوبا ــــ چنانچہ اس فن میں بھی میں نے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کی ــــ سر تراشی کے وقت جلاد کی یاد ــــ مقتل کی خون آشام، فضا آنکھوں میں پھر جاتی ــــ اور پھر تو

دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو جاتی !!
لو ـــ میں پوچھتا ہوں ـــ آخر دنیا
میں کیا ایسی چیزیں ہیں جو ہنسنے کے قابل
ہیں ؟
ہاں ـــ زندگی ـــ شاید ایک نغمہ
ہو ـــ لیکن "غمگین" ـــ کیا "نغمہ"
کا لفظ خود زبان حال سے گویا نہیں کہ
مجھے "غم" سے لیا گیا ہے ؟
زندگی ـــ نو "سکھ" نہیں بلکہ "دکھ" ہے ـــ
یہ لفظ تیرے لئے زیادہ موزوں ہے !
تجھ میں بے دھڑک قدم رکھنا تو موت ہے ـ
اور پھر مرجانا ـــ تو اپنے ہتیار ڈالدینا
زندگی ـــ ایک پُر لطف داستان ہے ـ ـ
اس کے لئے ـــ جو غور کرے ـــ !

ایک پُر غم کہانی ہے اس کے لئے جو "محسوس"
کرے !!
موت ـــ ! "آسمانی زبان میں تجھے
"زندگی" کہتے ہیں
مذہبستان میں خوشی حرام ہے ـــ
روز روز خوش رہنا کہاں کی دانشمندی
ہے ؟
ماہران روحانیات ایک دفعہ نہیں ہزار
دفعہ ثابت کر چکے ہیں کہ "گریۂ نیم شبی" انسانی
زندگی کی معراج ہے ! اور جسے اسطرف
بڑھنا ہو وہ ملے اور جلائے، روئے اور
رلائے ! بقول شاعر ؎

یاس و حرماں میں مزہ میں نے جو پایا ہمدم
وہ تمنا میں نہیں، حسرت و ارماں میں نہیں !!

(ترجمہ بہ تصرف)

رباعی

در مدح یمین السلطنة مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر صدر اعظم

(جناب ممتاز رفیع بیگم صاحبہ بھوپال)

یا الٰہی شوکتِ اجلال و زر افزوں شود ؛ تا ابد باشد مہاراجہ کشن پرشاد شاد
دستگیر بیکساں و مخزنِ فضل و کرم ؛ قصر و ایوانِ رفیعش دایما آباد باد

سلام

جناب میر مہدی علیصاحب شہید

غدیرِ خم کے متوالے سدا ہشیار رہتے ہیں ؛ مئے حب علی سے رات دن سرشار رہتے ہیں

ٹپکتا ہے لہو تسبیح کے دانوں سے اب تک بھی ؛ گذر جاتے ہیں ظلم و جور پر آثار رہتے ہیں

شب ہجرت خدا جانے کہ کیونکر نیند آتی ہے ؛ علیؑ ورنہ ہمیشہ رات بھر بیدار رہتے ہیں

خلافِ صبر ہوگا نالہ اس سے بھی جو نکلے گا ؛ جب ہی زنجیر تھامے عابد بیمار رہتے ہیں

نہ تھا ممکن شب معراج دونوں میں جدائی ہو ؛ نبی کے ساتھ ہر جا حیدر کرار رہتے ہیں

کہا عابد نے' بیماری نے محرومِ شفا رکھا ؛ وہ اچھے ہو چکے بس جو سدا بیمار رہتے ہیں

غمِ شہ میں اُمنڈتا ہے جو سینہ اشک بہتے ہیں ؛ تہ دریا میں اکثر گوہر شہوار رہتے ہیں

چھڑا کر ہاتھ سے کبریٰ کا دامن جا چکے قاسم ؛ نہیں بھرتے ہیں وہ جو زخم دامندار رہتے ہیں

صدف ہے دامن زہرا میرے اشکوں کے گوہر کی ؛ یہ دریائے طہارت میں در شہوار رہتے ہیں

گلا زخمی۔ ورم پانوں پہ تپ ہے' ناتوانی ہے ؛ الٰہی قید میں ایسے کہیں بیمار رہتے ہیں

کفن بستر میں باندھا ہے سرہانے رکھکے سوتے ہیں

شہید اب کربلا جانے کو ہم تیار رہتے ہیں

ادارہ

معاونین "شہاب" سے جب یہ اطلاعین ملتی ہیں کہ پرچہ نہیں ملا تو یقین جانئے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ جب آپ نے چندہ عطا کیا ہے۔ اور عزت مطالعہ کا شرف بخشا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ پرچہ آپ کی خدمت میں نہ بھیجا جائے۔

ہم انہیں شکایتوں کے مدنظر پرچہ نہایت حزم واحتیاط سے دو دو مرتبہ خود تنقیح کر کے ڈاک خانہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ باوجود اسقدر احتیاط جب پرچہ نہ پہنچے تو خیال فرمائیے کہ ہمارے تاثرات کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔

ہم جانتے ہیں کہ "شہاب" کی تزئین اور آرائش دیکھکر جی تو للچا جاتا ہوگا اور تقسیم کنندہ اپنے اخلاقی فرایض سے غافل ہو کر اپنے آپ کو بھی دائمی خریدار سمجھ لیتا ہو۔

چنانچہ انہیں شکایتوں کے ارتفاع کے لئے جناب ناظم صاحب ٹپہ خانہ کو توجہ دلائی گئی ہے۔ دوسرا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی اور بلدہ میں جہاں جہاں خریدار ہیں وہاں اپنے مضامین نگاروں کو مقامی خریداروں کی فہرست بھیجدی ہے کہ وہ اس ٹوہ میں لگے رہیں کہ غیر خریدار کے پاس پرچہ دیکھیں تو پتہ چلائیں کہ کس سبیل سے اون کے پاس پہونچا ہے۔ اس طرح سے پرچے جو غائب ہورہے ہیں اونکا نشان مل جائیگا اور جب یہ اطلاعین ہمکو پہنچ جائینگی تو پھر ناظم صاحب ٹپہ خانہ جات کو اونکے نام بھی بتا دینگے

اس لئے گذارش ہے کہ اگر پرچہ وقت پر نہ ملے تو پہلے مقامی ڈاک خانہ سے دریافت فرمائیے۔ پھر ہمیں اطلاع دیجائے ہم مکرر بھیجدینگے۔ براہ مہربانی اس خصوص میں ہمارا ہاتھ بٹائیے ورنہ دیدہ و دانستہ ہر مہینہ اسقدر کثیر نقصان کا "شہاب" ہنوز متحمل نہیں ہوسکتا۔

CROWN HAIR DYE
کراؤن خضاب
PREPARED BY
THE CROWN INK FACTORY
HYDERABAD DECCAN

FAZAL PEN

سوسائٹی میں بڑی عزت اور شہرت ہوئی کہ آپ کی پوشش کا
ہر جز نفیس ہو - ٹوپی اعلیٰ بوٹ شوز دستانہ زیب عمدہ دستی تو
سنت پھر یہ ہوگی کہ ہر شخص آپ کے داخلہ پر ہمہ تن متوجہ ہو جائے اس
نظریہ کی تکمیل ہمارے شوروم میں ہو سکتی ہے - ایک دفعہ تشریف
لائیے تو ممکن ہے کہ بغیر خریداری کے جانے کو جی چاہے تو جو افسران
حیدرآباد کے ذوق کے تحت جو سامان منگوایا ہے وہ نفیس اور عمدہ
اور پائدار ہے ٹوپی - کرسٹی - ترم - فلٹ کداب - ہالہ اور پنامہ - جراب -
دستی - سلک - صابن - آئل - پوڈر - بوٹ - شوز - بنیان - ہالکٹ - نوال و عطر
وغیرہ ہر وہ شئی جس کی آپ کو ضرورت ہو ہمارے یہاں موجود پائیں گے -
آرڈر پر مال باہر بھی بھیجا جاتا ہے - پیشگی کی ضرورت نہیں -
مال کے ناپسند ہونے پر دوسرا روانہ ہوگا بشرطیکہ اخراجات یکطرفہ کے
آپ ذمہ دار ہوں -

ایس - اے - رحیم

سالار جنگ بازار حیدرآباد دکن

شہاب

قواعد

۱۔ ہر فصلی مہینہ کی ۲۰ تک شائع ہو گا۔

۲۔ چندہ حسب ذیل

عوام	گورنمنٹ
چار روپیہ	۱۰ روپیہ

والیان ملک یا امرا ہوں اس واسطے بلحاظ سیر چشمی فی پرچہ ۸ آنہ

۳۔ جواب کے لئے ٹکٹ آنا چاہئے

۴۔ مراسلت میں نمبر خریداری ضرور لکھئے

۵۔ سیاسی۔ مذہبی۔ دل آزار مضامین شائع نہ ہوں گے

۶۔ اسکے اجرائی کا مقصد وحید ملک میں لٹریچر کا ذوق اور نئے اہل قلم کا پیدا کرنا ہو گا

۷۔ دلچسپ مضامین کے لئے معاوضہ بھی پیش کیا جائیگا

۸۔ مضامین صاف۔ اور کاغذ کے ایک جانب لکھے جائیں

۹۔ ۲۵ تک پرچہ نہ پہنچے تو دفتر کو اطلاع دیجائی۔

نرخ اشتہارات

	صفحہ	نصف صفحہ	¼ صفحہ
۱۔ ایک مہینہ	۱۰ روپیہ	۵ روپیہ ۸ آنہ	۳ روپیہ
۲۔ تین مہینہ	۲۵ ,,	۱۵ ,,	۸ ,,
۳۔ چھ مہینہ	۴۰ ,,	۳۰ ,,	۱۷ ,,
۴۔ سال	۹۰ ,,	۵۰ ,,	۳۰ ,,

نوٹ۔ براہ کرم مزید رعایت کیلئے درخواست نہ فرمائیے

رنگین اشتہارات کے دام علیحدہ طے کئے جائیں۔

زرچندہ اور تمام مراسلات بتہ ذیل پر ہونی چاہئے

محمد عبد الرزاق بسمل

بیرون دہلی پورہ حیدرآباد دکن

جناب نواب سالار جنگ بہادر

مُدیر
محمد عبدالرزاق بسمل

نشان سلسلہ	عنوان	نام مضمون نگار	نمبر
		فہرست تصاویر ۱ — نواب سالارجنگ بہادر ۲ — یوزیمن کا منظر ۳ — اٹلی کا تھیٹر	
۱	نواب سالارجنگ بہادرؒ	ادارہ —	الف و ب
۲	دکن کے مرثیوں کی ایک بیاض	جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی ایم۔ اے۔ آر۔ ایس لندن	۱ ۲

نمبر	عنوان	مصنف	صفحہ
۳	غزل	جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی	۱۳
۴	سناؤں تمہیں بات ایک رات کی	جناب سعید الدین احمد خانصاحب	۱۴
۵	امیر متکبر سے	جناب شبیر حسن خانصاحب جوش ملیح آبادی	۲۰
۶	ترکی میں بیداری نسواں	جناب بادشاہ حسن صاحب	۲۱
۷	قطعات	مولانا امجد	۳۰
۸	قوس قزح	محمد عبد الرزاق بسمل	۳۱
۹	غزل	جناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز	۳۵
۱۰	زوج بن عود خیر من قعود	جناب سید غلام حسین صاحب آفاق ہاشمی	۳۶
۱۱	شاعر فلسفی سے	جناب علی اختر صاحب اختر	۴۲
۱۲	دیواری چہرہ	جناب سید محمد ہادی صاحب جعفری	۴۴
۱۳	غزل	جناب سید شرف الدین صاحب ساقی	۴۸
۱۴	مکتوبات جمیل		۴۹
۱۵	نعت	جناب کپتن محمد اعجاز علی صاحب شہرت	۵۱
۱۶	بولتی تصویر	جناب مرزا سلیم بیگ صاحب	۵۲
۱۷	تاثرات	جناب میر رضا علی صاحب ارمان تحصیلدار	۵۸
۱۸	غزل	جناب حکیم بہبود علیصاحب صفی اورنگ آبادی	۵۹
۱۹	زندگی ایک قہقہہ نہیں	جناب "ا ج" صاحبہ نقوی	۶۰
۲۰	رباعی	جناب ممتاز رفیع بیگم صاحبہ بھوپال	۶۱
۲۱	سلام	جناب مہدی علی صاحب شہید	۶۲
۲۲	گذارش واقعی	ادارہ	۶۴

برقی پریس رہبر دکن میں چھپکر بیرون دبیر پورہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا

۷۸۶
۹۲

(نواب سالار جنگ بہادر)

یوسف علیخاں نام سالار جنگ بہادر خطاب - لائق علی خاں مرحوم کے بیٹے اور مختار الملک سالار جنگ اول کے پوتے - مال و متاع اور جاگیر و منصب کے علاوہ فہم و فراست بھی ورثہ میں ملی - اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں - جسکا تدبر زبان زد خاص و عام اور جسکی ذکاوت مشہور خلایق ہے -

گہوارۂ عشرت میں آنکھیں کھولیں لیکن علم و ادب کا چسکا گھٹی میں پڑ چکا تھا - مستند اہل علم کی صحبت میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور جب سن شعور کو پہونچے تو مدرسۂ عالیہ میں جس کے بانی خود آپ کے جد امجد تھے اور جو آپ کا بجا طور پر خاندانی مدرسہ تھا تعلیم پائی - عربی و فارسی کے علاوہ انگریزی پر عبور حاصل کیا تو خاندانی فہم و فراست کے ساتھ ساتھ جوہر ذاتی بھی چمک اٹھا اور اسکی جگمگ جگمگ کرنے والی ضیا پاش کرنوں نے دکن کے گوشہ گوشہ کو منور کر دیا - قدر شناس اور دوربین نظروں نے فوراً ہی تاڑ لیا کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات - سنہ ۱۹۱۲ء میں آپ وزیر اعظم مقرر ہوے - یہ خدمت موروثی تھی اور آپ نے سالار جنگ اول کے نقش قدم پر چلکر ثابت کر دیا کہ آپ حقیقی معنوں میں وزیر با تدبیر ہیں - اسپر نواب عماد الملک جیسے تجربہ کار فرد کے مشورے سونے پر سہاگہ تھے -

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر خدمت وزارت سے سبکدوش ہوے اور قلمدان وزارت آپ کے قبضہ میں آیا شاعر نے مصرع تاریخ کہا

ع زلیخا بن کے دیوانی مرے یوسف کے گھر آئی

(وزیر اعظم کو دیوان بھی کہا جاتا تھا اور اسی رعایت سے دیوانی کہا گیا جسمیں حد درجہ لفظی رعایت ہے)

پورے دو سال تک آپ نے اس اہم خدمت کے ذمہ دارانہ امور انجام دئے۔ بالآخر خرابی صحت کی وجہ آپ نے سبکدوشی حاصل کی۔ اسکے بعد آج تک آپ نے کوئی سرکاری خدمت نہیں کی لیکن بیشمار خدمات رفاہ عام اور پبلک کی خاطر اپنے سر اور دوش پر لئے جاگیرداروں کی کمیٹی کے آپ صدر ہیں بعض کارگزار جاگیرداروں کی کاوشوں نے آپکی غیر معمولی اور شخصی دلچسپی کا ساتھ دیا اور اب بفضلہ آپ اس کمیٹی کی شمع ہدایت ہیں۔

آپکے اسٹیٹ کا رقبہ پٹیالہ کے اسٹیٹ کے برابر ہے آپکا اسٹیٹ کا محاصل قریباً ۱۴ لاکھ سالانہ ہے۔ زروجواہر اور اس جاگیر کے علاوہ بیشمار کمپنیوں میں آپ کے حصص ہیں۔ خاندانی اعزاز اور سالانہ آمدنی کا لحاظ کرتے ہوے آپ کا شمار ہندوستان کے متمول ترین ہستیوں میں ہوتا ہے۔ باوجود امارت وثروت کے آپ کے اخلاق وعادات نہایت شایستہ اور حد درجہ پسندیدہ۔ خوش رو ہونیکے علاوہ خوش گفتار بھی ہیں۔ آپ کی گفتگو دلچسپ اور پر مغز ہوتی ہے۔ طرز کلام میں ایک خاص کشش ہے جسکی وجہ سے مخاطب کا دل آپ کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ گفتگو میں بے ساختہ پن اور بے تکلفی ہے۔ اخباری دنیا سے باخبر ہونیکی وجہ سے انقلابات حاضرہ سے بہت اچھی طرح واقف ہیں

غالباً آپ "سفر وسیلۂ ظفر" کے پرانے مقولے کے قائل ہیں کیونکہ ہمیشہ پا بہ رکاب نظر آتے ہیں۔ یورپ کا دو مرتبہ سفر کیا۔ اور ایران۔ دمشق۔ شام اور بیت المقدس بھی حال ہی میں ہو آئے۔

پرانی چیزوں کا بڑا شوق ہے۔ دوران سفر میں آپ نے تاریخی اشیاء کا بڑا خیال رکھا اور جہاں بھی جن داموں بھی ہاتھ لگے خرید کیا۔ باہر سے خریدنے کے علاوہ اب بھی شہر میں کوئی دن ایسا نہ جاتا ہوگا کہ کوئی نہ کوئی تصویر۔ قلمی کتاب۔ ظرف یا اسی قسم کی چیز آپ خرید نہ کرتے ہوں۔ اسی سبب سے آپ کا محل اچھی خاصی نمایش گاہ معلوم ہوتا ہے۔ کتب خانہ یوں تو ہزاروں کتابوں سے بھرا پڑا ہے لیکن بعض ایسے قلمی نسخے ہیں جو انڈیا آفس یا برٹش میوزیم میں بھی نہیں پائے جاتے۔ تصاویر سے آپ کو بڑی دلچسپی ہے۔ انگریزی۔ اطالوی۔ جرمنی۔ ایرانی مغلی غرض کوئی آرٹ ایسا نہیں جسکے بہترین نمونے آپ کے ہاں نہوں۔ ان سب کے علاوہ آپکو

مجسمے جمع کرنیکا بڑا شوق ہے۔ خصوصاً یورپ سے اتنے مجسمہ لائے ہیں کہ کوٹھی بھری پڑی ہے۔ مجسموں سے محبت آپکی فطرت ثانی ہوگئی ہے کہا جاتا ہے کہ آپکی پیدائش کے موقع پر حضور غفران مکان نے چند کمیاب پتلیاں آپکے ہاں تحفتاً بھیجی تھیں۔ ان پتلیوں کا شوق بچپن سے بڑھتا بڑھتا اب بہترین مجسمے جمع کرنیکی حد تک پہنچ گیا۔

آپ کو اکثر کھیلوں سے بھی دلچسپی ہے۔ خصوصاً پولو تو خود بھی اچھا کھیلتے ہیں اور ایک ٹیم بھی اپنے نام سے بنا رکھی ہے جسمیں حیدرآباد کے بہترین کھلاڑی شریک ہیں۔ حیدرآباد کے تمام ٹورنمنٹ میں آپکی ٹیم شریک ہوتی ہے اور باہر بھی اکثر جگہ جا کر کھیلتی ہے لیکن کسی ٹورنمنٹ وغیرہ میں آپ خود نہیں کھیلتے۔ کرکٹ ٹینس وغیرہ خود تو نہیں کھیلتے لیکن کھیلنے والونکی ہمت ضرور بڑھاتے ہیں۔ خصوصاً اکثر کالجوں کو آپ نے شیلڈ اور کپ وغیرہ عطا کئے ہیں۔ مثلاً نظام کالج میں ہر سال کرکٹ کا انٹر کالج سالار جنگ ٹورنمنٹ ہوتا ہے اور فزیکل ٹریننگ کالج کی جانب سے ہر سال انٹر کالج سالار جنگ ٹینس ٹورنمنٹ ہوا کرتا ہے۔

سکندرآباد کلب کے آپ بہت بڑے معاون ہیں اور سرگرم ممبر بھی۔ آپکو سوسائٹی کا بیحد خیال ہے۔ حیدرآباد کی اکثر سوسائٹیاں اور بہت سے کلب آپکی مالی امداد کے رہین منت ہیں آپکی نظر میں ہندو مسلم۔ انگریز۔ پارسی سب ایک ہیں اور آپکی آنکھوں پر کبھی تعصب کی عینک نہیں دکھائی دیتی۔ آپ سب کی سرپرستی فرماتے ہیں اور سب کی دامے۔ درمے مدد کی ہے علمی ادارہ میں آپ سب سے زیادہ علیگڈھ کالج کی اعانت فرماتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ اوسکو اپنا کالج سمجھتے ہیں۔ علم و ادب نوازی کے علاوہ عمارات کا بھی شوق ہے یوں تو آپکی اکثر و بیشتر عمارتیں بلحاظ آرائش و زیبائش مشہور ہیں لیکن "بارہ دری" جو عرف عام میں "لکڑکوٹ" سے معنون ہے ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اسکی تیاریوں میں نہایت اہتمام کیا گیا تھا۔ لکڑی میں جو نقش و نگار کئے گئے ہیں وہ صناع کے فن کی داد چاہتے ہیں۔ یہ عمارت نواب سرسالار جنگ اولیٰ کے زمانہ میں تیار ہوئی۔ عمارت تیار ہوئی تھی کہ شعرا کو جنھیں سرسالار جنگ اولیٰ کے بذل و نوال کا علم تھا اس سعی میں مصروف تھے کہ بہتر سے بہتر تاریخی قصائد لکھیں۔ ذکا مرحوم نے جو آپکے دربار کے ایک باکمال شاعر تھے جو ہر وقت پیشی میں رہتے تھے مثنوی لکھی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ذیل میں وہ مکمل مثنوی پیش کریں جسکے صلہ میں نواب صاحب مرحوم نے خلعت دوشالہ سے شاعر کی عزت افزائی کی تھی۔ اور اب بھی حیدرآبادی افراد کے زبانوں سے وہ اشعار سننے میں آتے ہیں۔

تیر سنہ ۱۳۴۲ ف

د

تہاب

مثنوی در صفت بارہ دری

ساقیا ٹھنڈا کر کے شورے میں ؛ پھول دے پھول کے کٹورے میں -
مجھے عیش و فراغ کی سوجھی ؛ یعنے تعریف باغ کی سوجھی -
سو وزیر دکن کا باغ ہے یہ ؛ واقعی عرصۂ فراغ ہے یہ
چشم نرگس کا یہ اشارہ ہے ؛ قابل دید بس یہی جا ہے -
گر ہوا یاں کے دشت میں چلتی ؛ شاخ آہو بھی پھولتی پھلتی -
تازگی کا کمال دیکھ لیا ؛ ہر شجر کو نہال دیکھ لیا -
سبزہ اس طرح لہلہاتا ہے ؛ کہ زمرد بھی زہر کھاتا ہے
دیکھنے کشمیر بوٹے گریاں گئے ؛ منہہ کو آنچل سے شال کے ڈھانکے -
کچھ زمین کا اثر تماشا ہے ؛ نامیہ جس کا نام لیوا ہے -
یوں تو سبزی بھی جا بجا اوگے ؛ موتی بو دیں تو موتیا اوگے -
بنتے اس خاک سے اگر آدم ؛ خضر ہو جاتے سر بسر آدم -
حسن اس باغ کا قیامت ہے ؛ خار تک بھی ثمرہ کی صورت ہے -
تازہ روی پہ صحن خرم کی ؛ ٹپکے پڑتی ہے رال شبنم کی -
ہے صفائی میں سنگ کو یہ ڈھنگ ؛ لنگ گو ہوے جسپہ شوق شلنگ
عقل کے پاؤں یاں پھسل جائیں ؛ آدمی کیا فرشتے چل جائیں -
نہر میں اس کے ہاتھ جو ڈالے ؛ نام کوثر سے منہہ کو دھو ڈالے
اسمیں اور اوسمیں فرق کیا ہو کہیں ؛ آب حیواں میں سینگ دم تو نہیں -
قد بالا جو نارجیل کا ہے ؛ سو عصا دست جبرئیل کا ہے
سیب نظروں میں اونکے گر پھر جائے ؛ ذقن حور چاہ میں گر جائے
ٹھنڈی ٹھنڈی جو ہے ہوا آتی ؛ صاف نرگس ہے نیند کی ماتی
باغبانوں کی اچھی قسمت ہے ؛ جیتے جی اونکو سیر جنت ہے
سیر گریا نکی دیکھ لیں اوستاد ؛ وہی شاگردوں سے کریں ارشاد
سعدی کی شیخی پر نظر نہ کرو ؛ اب گلستاں کو طاق میں رکھو
گر خزاں حد سے بھی جو بڑھ کر آئے ؛ باد کے گھوڑے پر بھی چڑھ کر آئے
رنگ تو کیا اڑا سکے گل کا ؛ بال ٹیڑھا کرے نہ سنبل کا
آگ ہو کر جلائے گا ہر گل ؛ ناگ بن بن کے کاٹے گا سنبل
آپ کو اس جگہ جو پاتے ہیں ؛ پھول پھولے نہیں سماتے ہیں
پتے کھڑکے تو یہ صدا نکلے ؛ وہ صدا کیا ہے یہ دعا نکلے
کہ رہے اوسکی مرتبت عالی ؛ جس نے اس باغ کی بنا ڈالی

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ایم۔ آر۔ ایس لندن

اب یہ مسلمہ امر ہے کہ زمانہ سابق میں مرثیوں کا دکن میں بڑا رواج تھا۔ عام شعرا کے قطع نظر ایک خاص گروہ مرثیہ گو کا بھی ہوتا تھا جو مرثیہ کے سوا کسی اور صنف میں طبع آزمائی نہیں کرتا تھا۔ یہہ مرثئے مجلس عزا میں پڑھنے کے لئے اکثر بیاضوں میں جمع کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے متعدد بیاض کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

ہم نے اپنے ایک مضمون میں صراحت کی ہے کہ ہمارے خاندان میں اس قسم کے متعدد بیاض موجود ہیں جن میں بیسوں شعرا کے مرثئے ہیں۔ ایک بیاض[1] سے قطب شاہی اور مغلیہ[2] دور وغیرہ کے بعض مرثیہ گو کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اور "شہاب" کے ایک گزشتہ نمبر میں مرزا کے مرثئے پیش کئے گئے ہیں۔ آج ہم اس بیاض کے دیگر مرثیہ گو کا

[1] یہ بیاض ہمارے بزرگ مولوی صفی الدین صاحب مرحوم کے کتب خانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم کو مولوی مرتضیٰ مرحوم کے قابل فرزند محمد غوث ایم۔ اے۔ ایل ایل بی ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ کی توسط سے حاصل ہوئی ہے۔

[2] دکھنی مرثیوں کے متعلق ہمارا ایک مضمون ادبی دنیا لاہور کے چار نمبروں میں شائع ہوا ہے۔ (جون ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء و جنوری و فبروری سنہ ۱۹۳۱ء)

تعارف کراتے ہیں۔

زیر بحث بیاض میں (۴۱) شعرا کے (۱۰۴) مرثئے ہیں اِن کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

شمار	تخلص	تعداد مرثیہ	تعداد اشعار
۱	احمد	ایک مرثیہ	۸
۲	اکبر	دو	۴۵
۳	اسد	ایک	۲۵
۴	اختراعی	ایک	۱۰
۵	باقر	ایک	۱۰
۶	تقی	ایک	۱۱
۷	جوہر	ایک	۲۹
۸	حسن	چھ	۶۲
۹	حمیدی	ایک	۱۴
۱۰	دیوان	پانچ	۵۱
۱۱	داس	ایک	۹
۱۲	روحی	ایک	۱۱
۱۳	سری	ایک	۱۳
۱۴	شرف النساء	ایک	۸
۱۵	شاہی	ایک	۵
۱۶	شفق	ایک	۱۲
۱۷	صادق	دو	۳۰
۱۸	طاہر	ایک	۱۴
۱۹	عبداللہ قطب شاہ	ایک	۲۰
۲۰	علی رضا	ایک	۱۲
۲۱	عشق	تین	۶۱
۲۲	عاصی	ایک	۱۳
۲۳	عادل علی	ایک	۱۳
۲۴	غواصی	دو	۱۹
۲۵	غمگین	ایک	۱۱
۲۶	قربان علی	دو	۵۵
۲۷	قادر	پانچ	۵۷
۲۸	قمر	ایک	۹
۲۹	کامل	ایک	۱۷
۳۰	لطیف	ایک	۲۵
۳۱	معصوم	ایک	۱۲
۳۲	محب	دو	۴۳
۳۳	مظہر	ایک	۲۵
۳۴	مبتلا	ایک	۱۱
۳۵	مخدوم	ایک	۱۱
۳۶	مقتدا احمد	ایک	۱۲
۳۷	ندیم	ایک	۱۸
۳۸	ندا	دو	۲۶
۳۹	وجہی	ایک	۱۰
۴۰	ہتیم احمد	،،	۴۱
۴۱	نامعلوم	چار	۷۸

اس کے علاوہ مرزا کے (۳۵) مرثئے ہیں جن کا ذکر علٰحدہ مضمون میں کیا گیا ہے۔

یہ شعرا مختلف زمانوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً وجہی۔ غواصی۔ لطیف اور شاہی

قطب شاہی عہد کے شعرا ہیں نوروحی۔ یتیم احمد اور قادر وغیرہ مغلیہ دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ایک بڑا حصہ ایسے شعرا کا بھی ہے جن کے صحیح زمانہ سے ہم واقف نہیں۔ یقین کے ساتھ ان کا زمانہ تعین نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان کے کلام اور اسلوب وغیرہ کے مدنظر کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے مگر یہ امر خاص طور سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان شعرا کا زمانہ ۱۱۷۵ھ کے پہلے کا ہے کیونکہ اس بیاض میں جسقدر کلام جمع کیا گیا ہے وہ اس سنہ کے پہلے کا ہے۔

ذیل میں بلا لحاظ زمانہ ردیف وار ان کو پیش کیا جاتا ہے مگر ان شعرا کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں جن کے متعلق کسی سابقہ مضمون میں صراحت کر دی گئی ہے۔

احمد احمد تخلص دکن میں متعدد شاعر مختلف زمانہ میں ہوئے ہیں۔ زیر بحث احمد دور آصفیہ کا شاعر ہے احمد بیگ نام اور احمد تخلص تھا حیدرآباد کا باشندہ ہے۔ بقول فتوت امیر الامرا کا رشتہ دار تھا۔ (تذکرہ فتوت)

شاہ رسول کا دیکھو تاراج گھر ہوا ہے
اس درد سوں نبی کا پر خون جگر ہوا ہے

....

جلتے ہیں دل جگت تک دلتی ہیں بند نین سوں
احمد تیرا سخن یو ہر دل اثر ہوا ہے

اکبر اس کے متعلق کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی کی بیاض میں بھی اس کا ایک مرثیہ موجود ہے۔ دیورپ میں دکھنی مخطوطات)

"اے سرور انبیا سو تمارا حسین ہے"
"غربت میں جا پڑیا سو تمارا حسین ہے"
"تنہا غریب بے کس و بے مونس و رفیق"
"نین کوئی بجز خدا سو تمارا حسین ہے"

....

"اکبر کے دو بچن کوں فصاحت دے سرفراز"
"دو جگ منے کیا سو تمارا حسین ہے"

اسد اسد الدین نام اسد تخلص۔ محمد علاء الدین خطیب مسجد میلاپور

لے جن شعرا کے متعلق سابق میں صراحت کر دی گئی ہے وہ یہ ہیں۔ عبد اللہ قطب شاہ، وجہی، غواصی، شاہی۔ لطیف۔ روحی۔ یتیم احمد۔ قادر۔ شرف النساء

ے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ اشعار کا نہ نقل کئے جائیں تاکہ اصل مخطوطہ کی حالت کا نہ واضح ہو جائے سلئے اکثر جگہ مصرعوں وغیرہ میں غلطیاں نظر آئینگی۔

(مدراس) کا لڑکا تھا ۱۱۸۰ھ میں تولد ہوا۔ ابجدی سے مشق سخن حاصل کیا۔ عمدۃ الامرا (۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ) رئیس ارکاٹ کے زمانہ میں ان کے سکریٹری کے فرائض بجالاتا تھا۔ خانی دبہادری کا خطاب بھی ملا تھا۔ عمدۃ الامرا کے بعد خانہ نشین ہوگیا ۱۲۳۴ھ میں انتقال ہوا۔

(گلزار اعظم)

"رسول پروردگار جنت میں غم زادہو دام روئے"
"تداں تے غمگین ہوکر عالم جگت کے سب خاص و عام روئے"
"علی علیہ السلام کر باد شاہ دین کوں پکار روئے"
"ملک سو ساتوں تلک کے سارے سینے مار مار روئے"

. . . .

"اسد یو ہے لطف کی نظر تو نذر لیجانے کوں شہ رنگے"
"رنجو کے گوہر جمع کیا ہے یو غم سنتے زار زار روئے"

اختراعی اس تخلص سے ایک شاعر کا ذکر مصنف گلزار اعظم نے کیا ہے جسکا نام محترم خاں تھا اور عالمگیر کے زمانہ میں موجود تھا۔ نہیں معلوم زیر بحث مرثیہ اسی کا ہے یا زمانہ ما بعد کے کسی اور شاعر کا۔

"جب تے ہوا ہے غوغا ماتم کا نزہیوں میں"
"رو رو کو رات دن منجہ پھولے پڑے نین میں"
"شہ گشت جس رن میں شہ سے میری نکلتی"
"منجہ آہ کے ہوایاں چہ یاں ہے نت گگن میں"

. . . .

"رو رو کو سوز تن تے کالیا ہے اختراعی"
"تو شمع شاہ روشن دو جگ کی انجمن میں"

باقر اس کے متعلق کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

"چاند ماتم سوں خم گگن میں ہے"
"غم سوں دل چاک گل چمن میں ہے"
"شمع پر سوز ہر بجن میں ہے"
"عیش پروانہ ہر رین میں ہے"

. . . .

"جگ میں فرزند علی کے غم ہا بہ"
"حیف باقر علی کے من میں ہے"

تقی اس دکھنی شاعر کے متعلق اگرچہ کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ دکھنی تھا۔ اڈنبرہ کی بیاض میں بھی اس کا ایک مرثیہ ہے اسکے اسلوب بیان کے لحاظ سے ہمارے ایک معترض اسکو شمالی ہند کا مرثیہ گو قرار دیتے ہیں حالانکہ یہہ صحیح نہیں ہے اگر کسی شاعر کا کلام شمالی اردو کی نہج پر ہو تو اسکو شمالی ہند کا شاعر قرار دینا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ ایسے متعدد دکھنی شعرا ہیں جن کا کلام شمالی اردو کی نہج پر ہے۔ تقی کے دکھنی ہونیکا

ثبوت یہی کافی ہے کہ جن بیاضوں میں اسکا کلام دستیاب ہوا ہے ان میں شمالی ہند کے کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تمام تر دکھنی شعرا کے مرثیے جمع کئے گئے ہیں۔

"حسین سرور بدل یاران محرم جگ میں آیا ہے"
"محبان کے دلان کوں سنگ غم کا لگایا ہے"

. . . .

"بیلا ردر وخشم کھو کر حسد سب حرص سب دھو کر"
"تفنی یکرنگ غلام ہو کر محب شاہ کوں گویا ہے"

جوہر — قادر حسین نام اور جوہر تخلص۔ شیخ داؤد ملک التجار ناگوری کا فرزند تھا۔ سنہ ۱۲۳۳ھ میں ناگور میں تولد ہوا۔ مدراس میں تحصیل علم کیا نواب غلام محمد غوث خاں مصنف گلزار اعظم کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ وفات کا سنہ معلوم نہیں۔ (گلزار اعظم)

"اس غم کی زخم کوں جو قضا لا کو لکھایا"
"دو جگ کوں قدرا کو اگن سات جلایا"

. . . .

"جوہر کے اوپر چتر شہنشاہ کے قدم کا"
"یارب اچھو تا روز قیامت لگوں سیایا"

حسن — حسن تخلص دکن کا ایک مشہور شاعر گزرا ہے مگر غالباً زیر بحث حسن وہ مشہور و معروف حسن نہیں ہے جسکا ذکر اکثر تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ بلکہ یہ حسن ارکاٹ کا شاعر ہے جس کا نام محمد حسن علی خاں تھا۔ یہ سنہ ۱۲۳۲ھ میں مدراس میں کمپنی انگریزی کی جانب سے مدرس مقرر ہوا تھا۔ سنہ ۱۲۰۰ھ میں اسکا انتقال ہوا۔ (گلزار اعظم)

"یاراں کرو لو غم سدا کرنا فرض ہمنا یو ہے"
"کرنا کرنیکے تو جہا مرنا فرض ہمنا یو ہے"

. . . .

"اے شہنشاہ شیر تر سارے جہاں پر جوں جہر"
"کرنا حسن پر یک نظر اتنا فرض تمنا یو ہے"

حمیدی — اس کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے۔

"کیوں ہوا ماتم تیرا غم یا علی"
"اس دکھوں روتا ہے عالم یا علی"

. . . .

"ہے حمیدی شاہ کا امیدوار"
"دے مرادیں قبلہ عالم یا علی"

دیوان — زین العابدین خاں نام اور دیوان تخلص۔ علی دوست خاں ناظم صوبہ دار ارکاٹ کا داماد تھا۔ اور

اپنے زمانہ کا اچھا شاعر شمار ہوتا تھا۔

(گلزار اعظم)

"کیا کربلا میں آل عبا پر ستم ہوا"
"جب او امام ہر دو سرا پر الم ہوا"
"آل رسول حق پہ تظلم کا حال دیکھ
"ہر شئے کے دل سوں عیش تنعم عدم ہوا"

. . . .

"افسوس کیا کہ غم سوں کہے رو کہ زار زار"
"دیوان ترا شہاساں کا یو ماتم ختم ہوا"

داس — اس کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اس کا مرثیہ موجود ہے۔

"مارے ہیں ظالماں نے نبی کے رتن کوں آج"
"گھائل کئے ہیں رن میں ان ہیارکت بدن کوں آج"
"لہو ستے نہلائے سو اس گلبدن کوں آج"
"ویران کر ظالم سٹے ان کے وطن کوں آج"

. . . .

"مظلوم ہو جدا سوں کیا ہے او شہ سوار"
"مد شہ کے دکھوں یو داس کئے چشم اشکبار"
"روتا ہے یوں دریغ ستے زار زار زار"
"مارے ہیں ظالماں نے نبی کے رتن کوں آج"

سری — اس کا ذکر بھی کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ بھی موجود ہے۔

"گریاں ہے جو شہ کے بدل او داخل الجنت ہوا"
"سرور کہے اس کا مکاں جنت میں عنت ہوا"

. . . .

"سری جفا ہو ر یو بلا سو شہ پر تا آلہ"
"ہے ہات میں ملسوف یو کس ترا لکست ہوا"

شفق — اس کا ذکر بھی کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔

"اب ہوا روز سے قیامت یا رسول"
"ڈھل پڑیا بخت امت یا رسول"

. . . .

"تین شفق کتنے ملک اس درد سوں"
"لہو ستے دیدے ہمارے یا رسول"

صادق — محمد صادق خاں نام اور صادق تخلص ملا احمد بیجاپوری کا نواسہ قلعہ ماہور کا قلعہ دار تھا۔

(گلزار اعظم)

"وہ کیا گھڑی گر آج پھر عوغا ٹھا عاشور کا"
"اس دکھ تے گلتا ہے جیندہ جلتا ہے تپیا سور کا"
"غمگین ہو صادق اس دکھوں انکھیاں تے رنجور کر"
"رو رو کیا ہے مرثیہ اس قصہ مشہور کا"

طاہر — کسی تذکرہ میں اسکا ذکر نہیں ہے۔

"قتل سرور ہے آج واویلا"
"روز محشر ہے آج واویلا"
"اہل بیت رسول سرا وپر"
"خاک افسر ہے آج واویلا"

. . . .

"طاہر اس غم سوں جبرئیل امین"
"خاک بر سر ہے آج واویلا"

علی رضا اس شاعر کے متعلق بھی کسی تذکرہ میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

"لایا ہے چاند جگ منے ماتم حسین کا"
"ہر ایک سینے میں آکو تڑپا غم حسین کا"
"ہر یک نبی پو جور جفا ہور ستم ہوا"
"قصہ نہیں کسی نے کسنیا کم حسین کا"

. . . .

"راضی علی رضا سوں . . . . شاہ اولیا"
"یکدل سوں مارتا ہے . . . حسین کا"

عشق اس تخلص سے دکن میں دو شاعر ہوے ہیں ایک کا تعلق اورنگ آباد سے تھا اور دوسرا ارکاٹ کا باشندہ تھا۔ اول الذکر مرزا جمال اللہ ہے جو اورنگ آباد کے مشہور شاعر مرزا داود کا لڑکا شاہ شاہی کا شاگرد تھا۔ اول احسن تخلص کرتا تھا اسکے بعد سید عبدالولی عزلت کی شاگردی کی اور عشق تخلص قرار دیا۔ شفیق سے بڑی دوستی تھی۔ فتوت اور شفیق نے اس کا ذکر اپنے تذکروں میں کیا ہے۔

ثانی الذکر عشق حکیم عبدالباسط نام اور عشق تخلص محمد مہدی واقف کا لڑکا تھا ۱۲۳۸ھ میں تولد ہوا۔ مرنے کا سنہ معلوم نہیں۔ مصنف تذکرہ گلزار اعظم نے اس کا ذکر کیا ہے نہیں معلوم زیر بحث مرثیے کس کے ہیں ممکن ہے کسی کی آئندہ تحقیق اسکا صحیح تصفیہ کر دے۔

"کیونکہ نبی کے جیو کے پیارے حسین کوں"
". . . تمام . . . سوں مارے حسین کوں"
"تجھے باخبر حسین کے احوال سوں نبی"
"جسو نت پائے نجے جو کنوارے حسین کوں"

. . . .

"عشقی . . . . کیوں اچھے دل کا قرار تمام"
"پیارے نبی کے جیو کے پیارے حسین کوں"

عاصی اس تخلص کے بھی دکن میں دو شاعر ہوے ہیں ایک تو نور محمد عاصی جو برہانپور کا باشندہ تھا دوسرا نور الدین محمد خاں جو ارکاٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکو محمد علی خاں والا جاہ کے دربار سے تعلق تھا۔ نہیں معلوم زیر بحث مرثیان دونوں سے کس کا ہے۔

"محرم کا چیند رآیا شہنشاں کا دوکھ دکھانے کوں"
محباں کے جگر میں فلک خنجر لگانے کوں

"حشر کے دن مج عاصی پر کرنا کرم حسین سرور"
"کیا ہوں مدحہ غم سون میں جنت کا در کھولانے کون"

غمگین کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں بھی اس کا مرثیہ موجود ہے۔

"یو چیندر لیا ہے جگ پر غم کا سامان پایا چیئے"
"تب سون ہے اس غم منے حرم ہفت آسمان پایا چیئے"
"عرش کرسی آسمان لوح ہور قلم اس دوکھ سے"
"ہے یون پانی سنجر اس غم میں لرزاں پایا چیئے"

"یو شفیع روز محشر شاد غمگیں کوں کرو"
"ہے حسین ابن علی پر دل سوں قربان پایا چیئے"

قربان علی کسی تذکرہ میں اسکا ذکر نہیں ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے۔

منعف ذکر مردان کا کیا ہے بول بسم اللہ"
"صفت یوسب شہیداں کا کیا ہے بول بسم اللہ"
حیدر صف ان میں جو آیا بول بسم اللہ
"جتے افواج ملعون کی کھپایا بول بسم اللہ"

"جہنم قربان علی کوں جلایا کر کو گریاں سوں"
"بیاں یوں سب محباں کوں سنایا بول بسم اللہ"

قسمر اس تخلص کے ایک شاعر کا ذکر فتوت نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے جو اورنگ آباد کا رہنے والا اور مرزا محمد بیگ کا شاگرد تھا۔

"اے سرور ہر دو جہاں للہ للہ یا علی
"اے رہنمائے گمرہاں للہ للہ یا علی"

"بندہ صدق سوں اپنے کمر بندگی ہے صادق قمر"
"بولے سدا شام و سحر للہ للہ یا علی"

کامل برہان پور کا مشہور مرثیہ گو تھا۔ سوائے مرثیہ کے کسی اور صنف میں طبع آزمائی نہیں کی۔ حمید نے تعریف کے ساتھ اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔

"آج رن میں ہے ابوالحسین قاسم"
"کیون لہو میں تم کفن قاسم"
"حیف تجکوں کئے دفن قاسم"
"کیوں کئے کربلا وطن قاسم"

"ہے عبا کے یو دل پر جسم ماتم"
"ہائے کامل ہے ... قاسم"

معصوم کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے
اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے ۔

"اس رات کوں یو نہلکر کیا بنگ آئی رے صبا"
"شہ کوں شہید کرنے کتیں خبر لائی رے صبا"
"جب آ صبا چمنے چمن غمگین ہوے پھول بن"
"نکرے ہو کلیاں آپ تن کیا بارلائی رے صبا"
....
"بولیا معصوم دک کی ہیں دک بن نہ تھک سوتیں"
"یو دیک نے تہتے نین کیا دو ربائی رے صبا"

محب کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے ۔

"اے نور چشم مصطفےٰ کیون جا بسا یا کربلا"
"اے مفخر آل عبا کیون جا بسا یا کربلا"
....
"ہر دم محب تجہ یاد کر روتا ہے نت غم دل میں درد"
"بس کرم کی کر یک نظر کیون جا بسا یا کربلا"

مظہر اس دکہنی مظہر کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ہے ۔

"محرم ...... چاند آیا خدایا"
"جہان کوں پھر اس دک میں پایا خدایا"
"حسینا کے دک کی اگن لا کو سنگ"
"جنگلکے حیوان کوں جلایا خدایا"
....
"قیامت کے دن میں حسین کے قدم کا"
"تو رکھ سر پو مظہر کے سایا خدایا"

مبتلا الف خاں مبتلا اورنگ آبادی۔ شفیق نے تعریف کے ساتھ اس کا ذکر اپنے تذکرہ میں کیا ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے ۔

"غم سوں کملائے سب چمن کے گل"
"بلکہ جل گئے چو کد حسن کے گل"
"حیف یاران او کیون گئے کمہل"
"مصطفےٰ کے تھے انجمن کے گل"
....
"مبتلا اس دوکھوں سوں رویا"
"ہو کو دستے یوں نین کے گل"

مخدوم کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے ۔ اسکی ایک مثنوی "نافرمان عورت" انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے ۔

"مرحبا اے ابن حیدر مرحبا"
"مرحبا آل محمد مرحبا"
"مرحبا اے نور چشم مرتضیٰ"
"مرحبا لوح پیغمبر مرحبا"
....
"دکہ سوں مخدوم یو کیا رات دن"
"نت کرے شہ پر ہزاراں مرحبا"

مقتدا احمد | کسی تذکرہ میں اسکا ذکر نہیں ہے ہے۔

"خدا کے برگزیدون کا کرو ماتم مسلمانان"
"نبی کے نوردیدوں کا کرو ماتم مسلمانان"

. . . .

"غلام مقتدا احمد سدا راہ محبت پر"
"دیکھو ماہ محرم میں تین پو ... لگا تا ہے"

ندیم | شاہ ندیم اللہ قادری بیجاپوری۔ صاحب دل تھے شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی باقر آگاہ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں بھی آپ کے مرثیے موجود ہیں۔

"اے بالک حسین کے پیارے للو ہائے شاہ اصغر"
"ظالموں نے ظلم سوں مارے للو ہائے شاہ اصغر"

"تجے مار کر کئے گھات لگی تیر تجکوں کس بات"
"اتنا کیا دغا ترے سات للو ہائے شاہ اصغر"

. . . .

"کیا سو ندیم للو سنے پانچ تو رو تہے رد"
"شہزادے پو دکر گریا سو للو ہائے شاہ اصغر"

ندا | کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے اڈنبرہ کی بیاض میں اسکا مرثیہ موجود ہے

"محرم چاند قاصد ہو خبر مغرب سوں لایا ہے"
"طرف مشرق کے جلدی کر جگت کوں سب رولایا ہے"
"حسین کا غم یو مالی ہونے آیا تخم ماتم کا"
"خوشی کے بن لو تا دیکر چمن غم کے لگایا ہے"

. . . .

"ندا ماتم کا جب میں نے سنیا ہوں دل کے کانا سوں"
"ندہاں تے سوز سرور کا شیانے سب سنیا ہے"

غزل

جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی

لہریں دریائے ہستی کی حباب آنکھو ہے
جو کوئی آنکھو ہے یا در رکاب آنکھو ہے

حسن کی آئینہ داری کو شباب آنکھو ہے
زلف میں بل گیسوؤں میں پیچ و تاب آنکھو ہے

مژدہ اے دل پھر ہوائے انقلاب آنکھو ہے
دور گردوں ہو چکا دور شراب آنکھو ہے

آنکھ میں تری مروت بھول کر آئی نہیں
شرم سو سو بار آنے کو حجاب آنکھو ہے

کہہ دیا ہے۔ فال بد منہ سے نہ او واعظ نکال
مجھ پہ رحمت اوتریگی مجھ پر عذاب آنکھو ہے

جا چکی تاب و تواں بس اب ہے اتنا انتظار
زندگانی کیطرف سے بھی جواب آنکھو ہے

پتلیاں پتھرا چلی ہیں کرتے کرتے انتظار
چارہ گر خوش ہیں کہ اب آنکھوں میں خواب آنکھو ہے

دیکھئے کیا رنگ ہو محفل کا اہل مصر کی
ہاتھ میں چھریاں ہیں یوسف بے نقاب آنکھو ہے

ہجر کی اک شب میں گھڑیاں بج چکی ہیں دو ہزار
اے فلک سمجھونگا میں اور حساب آنکھو ہے

سونے والو وقت آخر ہو گیا اب تو اٹھو
لے کے آئینہ لب بام آفتاب آنکھو ہے

شیشۂ توبہ نہ جوش کشمکش میں ٹوٹ جائے
جھوم کر صحن گلستاں میں سحاب آنکھو ہے

آگئی عارض پہ سرخی ہر طرح سے ہے ستم
یا حجاب آنکھو ہے یا اب عتاب آنکھو ہے

خانۂ دل سے اوٹھائیں اپنا بستر صبر و ہوش
اس سرا میں کاروان اضطراب آنکھو ہے

جوش گل کی کشمکش میں آگیا سبزہ کو غش
شیشۂ شبنم میں کھینچ کھینچ کر گلاب آنکھو ہے

نظمؔ دیکھیں مصطفے کا جانشیں ہوتا ہے کون
عرش سے مسجد میں حکم سد باب آنکھو ہے

اے اللہ تو بہے۔ ایسی حالت خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ نہ بھابی جان آپ سوئیں اور نہ دوسرے کو سونے دیا۔ خدا بھلا کرے بی اللہ بندی کا کہ ساری آگ انہیں کی لگائی ہوئی تھی۔ اور پھر مزہ دیکھئے کہ بس میں چنگاری ڈال جمالو دور کھڑی۔ خود کوٹھے پر جا ایسی لمبی تانی کہ صبح تک کروٹ بھی نہ لی۔

بات یہ ہوئی کہ بھائی حامد تو گئے ایک دوست کے ہاں دعوت میں اور ہم گئے سینما۔ گرمیوں کا زمانہ تھا۔ اور انگنائی میں سب کے پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ بھابی جان کچھ دیر تو پڑی بستر پر لوٹا کیں مگر طبیعت جو گھبرائی تو سارے گھر بار کو لے بیٹھیں۔ شروع شروع تو ادھر ادھر کے قصے ہوا کئے کہ نوا آبادی ایسی ہیں یا اور بی حسرت زمانی ویسی۔ ہالی موالی گرد بیٹھے ہاں میں ہاں ملائے چلے جا رہے تھے۔

جب اس سے نیت بھر گئی تو کہانیوں پر نوبت آئی۔ ایک کہانی میں کہیں شیطان علیہ العنت کا ذکر آ گیا بس پھر کیا تھا بی اللہ بندی لے اڑیں اسکو اور وہ زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کئے کہ توبہ بھلی۔ اوّل اوّل تو بھابی جان کو ڈر لگا اور کریمن نے بھی تنک کر کہا "اے ہے۔ خالہ تمکو تو موئے جنوں بھوتوں کے قصوں کے سوا کچھ آتا ہی نہیں۔ ہمارے پڑوس میں یوں ہوا تھا اور مفتی صاحب نے یوں جن

شیشہ میں اُتارا۔ چلو بس چپ رہو۔ رات کا
وقت ہے"۔ مگر وہ بھلا چپ رہنے والی
تھیں۔ اجی چپ رہے اُنکی بلا۔ اور
ادھر اس بدبخت کے نام میں بھی کچھ ایسا
سحر ہے کہ ڈر سے جائینگے۔ مرے جائینگے
مگر سنینگے ضرور۔ غرض جناب ہمارے آنے تک
بی اللہ بندی نے بیسیوں ہی تو قصے سنا ڈالے۔
ادھر تو ہم نے بسم اللہ کہکر ڈیوڑھی میں
قدم رکھا اور اُدھر سب نے ملکر زور سے
زور سے چیخیں مارنی شروع کیں۔ بھابی جان
جو ھڑبڑا کر آنچل سنبھالنے اٹھیں تو دوپٹہ میں
پیر اُلجھا اور دھڑ سے پلنگ کے نیچے۔
اور گلشن پکارنے "دہائی ہے حضرت
سلیمان کی۔ دہائی ہے حضرت سلیمان کی"
ہماری سمجھ میں خاک نہ آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے
جہاں تھے وہیں کے وہیں کھڑے کے کھڑے
رہگئے۔ مگر جب دیکھا کہ نہ کسی طرح دہائی
ہی ختم ہوتی ہے اور نہ چیخیں۔ ہر ایک آنچل
میں منہ چھپائے پوری قوت سے چیخ رہا
ہے۔ تو گھبرا کر میں نے بھی چیخیں مار کر
پوچھا کہ "آخر کیا ماجرا ہے۔ کیا ہوا؟
ہماری آواز سنکر بوا کریمانے ڈرتے
ڈرتے ذرا گردن اُٹھائی اور آنچل سے
ایک آنکھ باہر نکال کر ہماری طرف
دیکھا۔ اور ایک بڑا لمبا اطمینان کا سانس
لیتے ہوئے کہا "اوئی۔۔۔ بی۔۔۔۔۔
چھوٹے میاں ہیں"۔ اب ہر ایک آہستہ
آہستہ گردنیں اُٹھانی شروع کیں۔ اور
جدھر کو ہم کھڑے ہوئے تھے اُس طرف
دیکھنا شروع کیا۔ بھابی جان گر کر پلنگ
کے نیچے ہوگئیں تھیں۔ اب وہ بھی نکلیں
اور ہم آگے بڑھے۔ میں نے کہا "آخر سب
دیوانے کتے نے کاٹ کھایا تھا۔ یا تم
سب نے متوالی کو دولت کھائی تھی کیا تھا
کیا آخر؟" بھابی جان کہنے لگیں "واہ شاباش
آن کے ڈرایا سو ڈرایا اور اب ہمیں سے
آپ اُلٹے پوچھ رہے ہیں۔ شرم نہیں آتی"
مین نے کہا "اس کی بھی ایک ہی رہی
اجی شرم آنے کی کونسی بات ہے میرا
ڈیوڑھی میں قدم رکھنا تھا کہ سبھوں نے
طوفان برپا کردیا۔ اب شرمائیں ہم کہ آپ"
بھابی جان "میں کیا جانوں۔ پوچھو گلشن
سے وہی سب میں پہلے چیخی تھی"۔ میرا
خوب پہلے وہ چیخی اور بعد میں بغیر کچھ سوچے
سمجھے آپ سب نے ساتھ دیا"۔ خیر صاحب
راز کھلا کہ بی اللہ بندی جب سے سب کو
جنوں بھوتوں کے قصے سنا رہی تھیں۔ یکدم
سے ڈیوڑھی کیطرف دیکھا کوئی سفید سفید
چیز اندر آرہی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ میں نے
اللہ بندی کو برا بھلا کہا۔ کھانا آیا۔ میں نے

اور بھابی جان نے ملکر کھایا۔ اوسکے بعد ہم تو بستر پر دراز ہو گئے۔ پھر اللہ جانے کب یہ محفل جمی اور کب تک رہی۔

اب جو آنکھ کھلتی ہے تو بھابی جان چپکے چپکے ہمیں اٹھا رہی ہیں۔ "چھوٹے بھیا۔ چھوٹے بھیا۔ اجی اٹھو۔ ہائیں۔ چھوٹے بھیا۔ اٹھو۔" میں نے کروٹ لیتے ہوے پوچھا "کیا ہے۔" کہنے لگیں "اجی کوئی پتھر پھینک رہا ہے اٹھو۔" میں نے کہا "آپ خواب تو نہیں دیکھ رہی ہیں۔ آدھی رات کو کسکی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ آپکے گھر پر پتھر پھینکتا پھرے گا۔ اور جو پھینکتا ہے تو آپ کا کیا نقصان ہے پھینکنے دیجئے۔ اسی کے ہاتھ دکھینگے۔" ہم یہی کہہ رہے تھے کہ تڑ سے ایک پتھر آیا اور چھناچھن کر کے کھڑکی کا آئینہ ٹوٹا۔ اب تو ہمارے بھی کان کھڑے ہوے اور ہم بستر پر ایستادہ ہو گئے۔ کہ اتنے میں پھڑ سے ایک بدنی پلنگ سے ذرا پرے گری۔ بدنی کا گرنا تھا کہ بھابی جان نے ایک چیخ ماری اور ہمارے ہی پلنگ پر گر پڑیں۔ دونوں ہاتھوں سے تکیہ میں منہ چھپا لیا۔ تھر تھر کانپ رہی ہیں۔ سمٹ کر گولہ بنے پڑی ہیں۔ اتنے میں دوسرا پتھر آیا اور کھٹ سے ہمارے پہلو میں لگا۔ اور ہم "افوہ" کا نعرہ بھر کے پلنگ سے کود کھڑے ہوے۔ اُدھر سے گُرنما نے پکارا "اوئی اللہ مری۔ میری تو کلائی چھنا گئی۔ کتنی زور سے مارا ہے موا۔" ادھر سے شبو نے کہا "بوا۔ میری آنکھ پھوٹتے پھوٹتے بچی۔" میں نے دل سے کہا کہ اگر بھابی جان کے بھی ایک آدھ پڑ گئی تو پھر تو غضب ہی ہو جائیگا۔ میرے سنبھالے نہ سنبھلیں گیں۔ میں نے بھابی جان سے کہا۔ "چلئے اندر چلئے۔ ورنہ یہاں آپ کے بھی پڑتی ہے۔" مگر وہاں اٹھا کس سے جائے۔ خیر جناب میں ہاتھ پکڑا۔ ٹھنڈا برف۔ دوسرا ہاتھ انہوں نے آنکھوں پر رکھ لیا کہ کچھ دکھ نہ جائے۔ گرتے پڑتے دالان میں پہنچیں اور دھڑ سے گاؤ تکیہ کے آگے گر پڑیں۔ میں نے انکو وہاں چھوڑ کر دریافت حال کے لئے پلٹنا چاہا مگر انہوں نے فوراً ہاتھ پھر آگے بڑھایا اور بجائے ہمارے ہاتھ کے پیر انکی گرفت میں آیا اور ہم الٹ کر گرے۔ میرا گرنا تھا کہ سب کے سب دوڑ پڑے ایک کہتی ہے "میاں اللہ نے بچایا۔" دوسری نے کہا "چھائیں پھوئیں کیا بڑی گھڑی تھی۔ چوٹ تو کہیں نہیں لگی صاحب۔" تیسری نے کہا "دھکا دیدیا موے نے پیچھے سے۔ اللہ کرے ہاتھ ہی ٹوٹیں۔"

اور ادھر ہماری پیشانی میں چوٹ آئی۔ ان لوگوں کی کائیں کائیں نے غصہ کا پارہ اور بھی چڑھا دیا۔ میں نے للکار کر پرے ہٹ جانے کی صدا دی۔ اور حکم دیدیا کہ خبردار بیچ میں کوئی نہ بولے ہر ایک دوسرے کی صورت دیکھکر بازو ہٹ گیا۔ بھابی جان ہمارے گرتے کے ساتھ ہی اٹھ بیٹھیں۔ اب ہمیں ہلنے نہیں دیتیں۔ میں کہہ رہا ہوں کہ آخر جا کر دیکھوں تو سہی کہ کون ہے۔ کیا واقعہ ہے مگر وہ کیا ماننے والی بشر ہیں۔ قسمیں اور کلامیں دیئے چلی جارہی ہیں کہ اچھے بھیا میں تجھے نہ جانے دونگی۔ کوئی پتھر وتھر اور نہ پڑ جائے یا پھر وہی حلال خور ڈھکیل وکیل دے میں نے کہا "کیا خوب۔ گرائیں۔ آپ خود اور تمام اس بیچارے کا بدنام۔ کہنے لگیں "کچھ ہو میں تو تمھیں نہ جانے دونگی۔ میرا اکیلے میں دم نکل جائیگا" اور جناب اس عرصہ میں تھیر وکی بارش نے اور بھی زور باندھا۔ حمام اور سامنے کے سائبان کے ٹینوں نے وہ غل مچایا کہ الہی پناہ۔ ہمارے بھی آپے حواس باختہ تھے۔ اور بھابی جان ہیں کہ اٹھنے نہیں دیتیں۔ گھٹنہ پکڑے بیٹھی ہوئی ہیں اب بھابی جان نے بھائی حامد کو صلواتیں سنانی شروع کیں کہ جا کر دوستوں میں بیٹھ رہتے ہیں۔ گھر کی خبر نہیں۔ چاہے چور آکر لوٹ لے جائیں۔ یا شیطان آنکر سب کو چبا جائے انکی جوتی کی نوک سے۔ غرض خوب بھڑاس نکال رہی تھیں کہ اتنے میں کسی نے پکار کر کہا "خاموش۔ ورنہ پتھر دالان ہی میں کھینچ مارونگا" آواز کے ساتھ ہی بھابی جان گھٹنہ چھوڑ پھر گولا گٹھڑی ہو گئیں۔ اور ہم اٹھے۔ اب ہم پہ سارا ماجرا روز روشن کی طرح عیاں تھا۔ سخت غصہ انکے اس ناوقت کے مذاق پر آیا جو بیہودگی کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ پیشانی سہلاتے ہوئے بستر پر آن کر لیٹ گئے۔ ڈیوڑھی سے کسی کی دستک دینے کی آواز آئی۔ اور شبو اچک کر بھاگی کہ بڑے صاحب آگئے مگر بیا نے وہیں سے ڈانٹ بتائی کہ خبردار دروازہ نہ کھولنا۔ بدذات دھوکہ دے رہا ہے۔ گھر میں گھسنا چاہتا ہے (شیطان کے متعلق روایت ہے کہ وہ رات کے وقت یا گھڑی دو پہر میں آواز بنا کر دروازہ کھلواتا ہے اور جو کھولدیا تو گویا اسے اجازت داخلہ کی دیدی اور وہ مکان میں آن کر بس جاتا ہے۔ پھر کسی کے نکالے نہیں نکلتا) مجھے اس فقرہ پر بڑی ہنسی آئی مگر چوٹ نے اجازت نہ دی اس لئے فقط کروٹ بدلکر چپ ہو رہے۔ اب بھائی حامد ہیں کہ برابر چیخ رہے ہیں کہ دروازہ کھولو۔

دروازہ کھولو۔ مگر سب دم سادھے اپنی جگہ پر ہی کھڑے کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ جاکر دروازہ کھولے۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے ڈانٹ کر کہا کہ "کیا سب بہرے ہوگئے ہیں۔ سنتے نہیں۔ دروازہ کھولدو۔ اس پر بھابی جان نے لیٹے لیٹے پکار کر حکم دیا کہ "خبردار جو دروازہ کھولا ہو۔ وہ ...... (اسکے بعد شاید کوئی اچھا لفظ استعمال کرنا چاہتی تھیں مگر اُن بزرگ کے ڈر نے اجازت نہ دی) اندر آجائیگا۔" میں نے پکار کر بھائی حامد سے کہا "سُن لیا بھائی جان آپ نے۔ اب اور پتھر پھینکئے۔ آپ کی یہی سزا ہے۔ اب ساری رات باہر پڑے رہیے گا۔ میری رائے مانئے تو ٹیبل کلاتھ باہر جو چارپائی رکھی ہے اُس پر بچھا کر رات کی رات پڑے رہئے۔ صبح آپ کے داخلہ کا میں ذمہ دار، یہاں کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ دروازہ کھولے اگر ٹیبل کلاتھ نہ ملے۔ تو جمّن (باہر کا نوکر) کے ساتھ ساجھا کر لیجئے"۔

بھائی حامد "شیطان بڑے بڑے باتیں بنا رہا ہے۔ تو خود اُٹھکر کیوں نہیں کھولدیتا۔" میں "بھابی جان کے حکم کی خلاف ورزی مجھ سے نہ ہوسکے گی۔ ورنہ صبح ناشتہ نہ ملیگا اور بھوکے کالج جانا پڑے گا۔" بھائی احمد "چھوٹے بھیّا کھولدے بیٹو۔ مجھے حاجت کے لئے جانا ہے۔ بھیّا اچھا نا بڑی زور...." میں "جی ہاں اتنا زور کے میری پیشانی پر گومڑا اُٹھ آیا۔" جب بڑی منتیں سماجتیں کیں تو مجھ ہی کو بھابی جان کے حکم کے خلاف جاکر دروازہ کھولنا پڑا۔ کیونکہ اتنی گفتگو کے بعد بھی کسی کو اسکا یقین نہ تھا کہ وہ بھائی حامد ہی ہیں۔ وہ اندر آتے ہی لوٹا لے بھاگے۔ اور آدھے گھنٹہ میں نکلے۔ تب تک یہاں سب امی جمی ہوچکی تھی اور ہر ایک نے اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ یہاں تک کہ بھابی جان بھی بستر پر آن کر لیٹ گئیں۔ اور ہم تقریباً سو گئے ایک بج چکا تھا۔

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جھنجوڑ کر رکھدیا۔ میں تب بھی نہ اُٹھا۔ تو بھابی جان نے بازو میں زور سے چٹکی لی۔ اور ہم بازو سہلاتے اُٹھ بیٹھے۔ میں نے پوچھا "کیا ہے"۔ کہنے لگیں "ڈر لگ رہا ہے"۔ میں نے کہا "میں کیا کروں۔ اٹھائیے نا بھائی حامد کو۔ آخر ساری آفت مجھ ہی پر کیوں ہے"۔ فرمانے لگیں "توشہ خانہ میں کھٹ پٹ ہو رہی ہے"۔ میں پھر لیٹ گیا اور کہا "کھٹ پٹ ہو رہی ہے ہونے دیجئے۔ آپ کا یا میرا کیا بگڑتا ہے اب سو جائیے۔ وہ دیکھئے وہ آپ کا کھٹ پٹ کرنیوالا وہ رہا۔ سامنے بھبھریلی ہوئی بلّی معہ اپنے بچوں کے گذر رہی تھیں۔

"اوئی مردار میرا خون خشک ہو گیا تھا نا۔"
مین نے کہا "خیر آپ کا خون خشک ہوا تو۔ اب کے اگر آپ کو اٹھانا ہے تو بھائی جان کو اٹھائیے۔ خادم کو دو گھڑی سونے دیجئے۔ سویرے کالج جانا ہے۔" مگر توبہ کیجئے وہ کیا سونے دینے والی تھیں۔ پھر چپکے چپکے اٹھایا "استغفراللہ۔ اب کیا ہوا حضرت" مین نے جلکر کہا۔ سر سے پیر تک اس گرمی میں دو شالہ اوڑھے ہوئے تھیں فقط ایک آنکھ باہر نکلی ہوئی تھی جس سے انتہائی خوف کا اظہار ہو رہا تھا ویسے ہی چپکے سے کہا "دالان میں کوئی کھڑا ہوا ہے۔" مین نے جو نظر کی تو واقعی کوئی صاحب کھڑے ہوئے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ میرا اور کوٹ جو میں نے کیڑے کے ڈر سے دھوپ میں لٹکا دیا تھا اور ابھی تک ویسے ہی لٹک رہا تھا۔ غرض صبح تک یہی کرتے گذری اور چونکہ بھائی حامد کی اس حرکت سے بھابی جان اُن سے خفا تھیں اس لئے وہ ساری رات عیش کرتے رہے اور ہماری رات آنکھوں میں کٹی۔

صبح میں نے دریافت کیا کہ اللہ بندی کہاں تھیں تو معلوم ہوا کہ ساڑھے گیارہ ہی بجے وہ کوٹھے پر جا کر سو گئیں تھیں۔ اے لیجئے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ دوسری رات کو حکیم بلاقی کے ہاں سے ایک گولی خواب رفتنی کی لا کر بی اللہ بندی کو پان میں کھلائی اور خود خواب آوری کی کھائی۔ وہ رات بھر خشکی کی وجہ سے کروٹیں بدلتی رہیں اور ہم مزہ سے سویا کئے۔
تین چار روز کے بعد اپنی اُس رات کی خدمات کا واسطہ دیکر بھابی جان سے بھائی حامد کا قصور معاف کروایا اور اللہ بندی کو اُن کے موئے ہوئے شوہر کی قسم دی کہ اب وہ کسی جن بھوت کا قصہ جھوٹے منہ بھی بھابی جان سے تو کیا در و دیوار سے بھی نہ کہیں۔
مگر آج ہی وہ پیٹ پکڑی ہوئی آئیں اور بھابی جان سے کوئی تازہ واردات کہہ گئیں ہیں۔ خدا ہم غریبوں کے حال پر رحم کرے۔

جناب شبیر حسن خاں صاحب جوش ملیح آبادی

شاعران خستہ سے ملتی نہیں تیری نگاہ
اللہ اللہ یہ تکبر اے امیر خود پسند

خاکساروں کیطرف سے جب گذرتا ہے کبھی
یوں اکڑ جاتا ہے گویا کھینچ رہا ہے بند بند

یہ اکڑ ہے درحقیقت کھوکلے پن کی دلیل
نرم کر گردن کے خم کو کھینچ لے باگ سمند

کھول دے پیشانی دولت فروشی سے گرہ
پھینکدے دوش امارت سے تبختر کی کمند

بارگاہ، حاجب و خدام و دینار و درم
ہاں یہ مانا تو ہے ان سب نعمتوں سے بہرہ مند

ہاں سمجھتا ہوں کہ تیرا طرۂ طرف کلاہ
آسماں کیا۔ بلکہ ہے عقد ثریا سے بلند

پھر بھی غمگین خاک کے پامال فرقوں کی طرف
اس حقارت سے نہ دیکھ اے آفتاب ارجمند

در سفالین کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں شریفان خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

جناب سید بادشاہ حسن صاحب

(۲)

سفینۂ برگ گل بنالیگا قافلہ مور ناتواں کا + ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

جس طرح کوئلے یکجا نہ کئے جائیں۔ ان پر تیل نہ چھڑکا جائے۔ چنگاری روشن کیجائے اور پھونکوں سے بھڑکایا نہ جائے تو شعلے بلند نہیں ہوتے۔ اسی طرح لوگ ایک اصول پر متفق نہوں۔ ان میں احساس پیدا نہ کیا جائے ان میں ایک آتش زبان پیدا نہ ہو اور جوش و خروش دل میں لہریں نہ مارے تو "انقلاب زندہ باد" کے نعرے فضا میں نہیں گونجتے۔

اس وقت جبکہ ترکی میں عورتوں کی حالت بہت ردی تھی۔ اسے ایک چراغ تصور کرلیا گیا جو گھر میں اور صرف گھر ہی میں روشنی دے سکتا تھا۔ خیال تھا کہ باہر کی کھلی فضا میں یہ چراغ ہوا کے جھونکوں سے بجھ جائیگا یا بھڑکنے لگے گا یا ٹمٹمانے لگے گا۔ ترکوں نے کبھی اس چراغ کو گھر سے باہر لیجاکر عملی تجربہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور کرتے تو کیونکر جبکہ یہ خیال ان کے دماغوں پر اسقدر مسلط ہوچکا تھا کہ انہیں اسپر پورا الیقین تھا۔

ظاہر ہے کہ اس چراغ کا کیا کام ہوگا بس یہی کہ خود جلے اور دوسروں کو روشنی دے۔ چراغ کی اس قابل رحم حالت پر چار آنسو بہانے دلجوئی اور غمخواری کرنیکے لئے

چند پرانے جمع ہونا چاہتے تو فانوس کی ھالہ
ان کے درمیان حائل کردیجاتی ۔
ایک مدت تک بے زبان صنف نازک
پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے لیکن تابکے؟
ایک دن وہ بھی آپہونچا جب سارے
چراغوں کی حدت یکجا جمع ہوئی اور آتش فشاں
کی طرح یہ مادہ زینب اور ملک کے دل
و دماغ سے پھوٹ نکلا ۔ ٹرکی میں انقلاب کا
زلزلہ آیا حدود ٹوٹ گئے اور عورتیں آزاد ہوگئیں
زینب اور ملک نوری بے کی خوبصورت
لڑکیاں تھیں ۔ چونکہ مغربی رنگ آہستہ آہستہ
ٹرکی پر غالب آرہا تھا اس لئے انکی تعلیم و
تربیت مغربی طرز پر ہوئی ۔ ضروری تعلیم کے
ساتھ انہیں فنون لطیفہ بھی سکھلائے گئے ۔
اور انکی دلچسپی اسی رنگ میں اتنی بڑھی کہ
انہوں نے جلد ہی ان میں ایک حد تک
کمال پیدا کرلیا ۔

زینب کا خاندان اسوقت ٹرکی میں
روشن خیال مشہور تھا ۔ پھر بھی زینب جن
زنجیروں میں جکڑی گئی ۔ جن رسومات کی
بندھنوں میں الجھائی گئی اور جن طریقوں سے
اس کی آزادی چھین لی گئی اس سے صاف
طور پر ٹرکی کی عورتوں کی بے بسی ۔ لاچاری
اور مجبوری کا اظہار ہوتا ہے ۔ اس کی دکھ
بھری داستان اسی کی زبان سے سننے کے قابل ہے ۔

"ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے"
"سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری"

لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں گذرا ۔ ہوش
سنبھالا تو تعلیم و تربیت کا خیال آیا ۔ والدین
آزاد منش تھے اسلئے مغربی اصول کے مطابق
تعلیم دلوائی ۔ سمجھ پختہ ہوئی تو مغربی تعلیم نے
میرے دماغ پر آہستہ آہستہ تسلط جمانا شروع
کردیا ۔ میں نے بڑے شوق سے بلاد یورپ
کے عورتوں کے حالات پڑھے ۔ انکی آزادی
انکی تعلیم ۔ ان کے کارنامے ! اف ترکی
عورت کے حاشیہ خیال میں بھی آنہیں سکتے ۔
میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔ جب میں
نے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ ہم قعر ظلمات میں
دست و پابستہ پڑے ہیں اور وہ کوہ نور کی
چوٹی پر آزادی کے گیت گارہی ہیں ۔

"میں ابھی مغربی آزادی کا خواب دیکھ ہی
رہی تھی کہ ایک مصیبت ۔ اف ! ایک ایسی
مصیبت جس کے خیال ہی سے میں لرزہ براندام
ہوئی تھی کہ خلاف توقع نازل ہوئی ۔ یعنی
یہ کہ میری شادی کے متعلق سلسلہ جنبانی
شروع ہوئی آخر ایک شخص میرا شوہر منتخب
ہوا ۔ میں نے پسند نہیں کیا بلکہ والدین نے
منتخب کیا اور یہ بالکل دستور کے مطابق تھا ۔
میں کون تھی ؟ کیا تھی ؟ مجھے پسند کرنے کا
اختیار تھا یا نہیں ؟ یہ سوالات بے فائدہ تھے

بے ضرورت تھے۔ آہ! اس میں میرے
والدین کا کوئی قصور نہ تھا۔ بلکہ آوے کا
آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ اور تمدن و معاشرت
قابل الزام تھے۔

"میں مغربی طرز آزادی کی دلدادہ اور میرا
ہونیوالا شوہر —— والد کا پرائیوٹ
سکریٹری —— مشرقی تہذیب و روایات کا
عاشق تھا۔ یہ خلیج ویسی نہ تھی جو آسانی سے
مٹ جاتی۔ شادی ہوئی لیکن خانہ آبادی
نہیں ہوئی۔ دو جسم مل گئے لیکن دو دل
نہیں ملے —— رہی سہی آزادی بھی یوں
سلب ہوگئی۔ ہائے ؎

پنہا تھا دام سخت قریب آشیاں کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

"اس پرندے کی طرح جو دام میں پھنس کر
پھڑپھڑاتا ہے اور رہائی کے لئے جاں توڑ کر
کوشش کرتا ہے میں نے بھی تہیہ کرلیا کہ رہونگی
دنیا میں تو آزاد ہوکر نہیں تو آزادی کی تگ و دو
میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جاں دیدونگی۔ غلام بنکر
زندہ رہنے سے آزادی کی کوشش میں مرنا
ہزار درجے بہتر ہے۔"

"ہم بے کس و بے بس اور لاچار و مجبور
عورتیں مردوں کا میدان عمل میں بگاڑ ہی کیا
سکتی ہیں۔ ہمارا اور انکا مقابلہ رائی اور پربت کا
ساتھا۔ ہمنے خفیہ طور پر ایک انجمن..... قائم
کی جس کا مقصد اس اصول کی تبلیغ تھا:۔

"غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں"
"جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں"
"یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم"
"جہاد زندگانی میں ہیں یہ انسانوں کی شمشیریں"

دعوتیں دیجاتیں جنمیں صرف عورتیں ہی شریک
ہوسکیں۔ کھانے کے بعد ہماری غم انگیز داستان
چھیڑی جائے۔ اس پر آنسو بہائے جانے
اور موجودہ تکالیف سے نجات حاصل
کرنے کے منصوبوں پر غور کیا جاتا۔

اسی اثنا میں حکومت نے ہماری دعوتیں
موقوف کروادیں۔ ہوا یہ کہ کسی نے سلطان عبدالحمید پر
قاتلانہ حملہ کیا مگر سلطان کی جان بال بال
بچ گئی۔ حکومت نے احتیاط کے مدنظر
تمام اندیشناک جلسوں کی ممانعت کردی
اسی سلسلے میں ہماری دعوتیں بھی موقوف
کروادی گئیں۔

حکومت کی اس بیجا احتیاط پر ہمیں جو
صدمہ ہوا اسکا اندازہ مشکل ہے مگر کرتے کیا
قہر درویش بر جان درویش۔ ہم نے ٹھان
لی کہ:۔

"یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر"
"زمیں پر تو ہو اور تری صدا ہو آسمانوں میں"

اس سے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری
داستان غم دوسری قوموں کے گوش گذار ہو

ممکن ہے کہ وہ متاثر ہوں اور ہماری مدد کریں
ایسے آڑے وقت میں ہمیں لوتی کا خیال
آیا کیونکہ وہ ہمیشہ ترکوں کا دوست رہا ہے
اُسے ہماری تہذیب اور معاشرت سے
انس رہا ہے ۔ اس کے طرز بیان میں
اثر ہے اور اسکی تحریر میں روانی ۔ اسکے
بیشمار افسانے نہ صرف ترکی اور فرانس
میں بلکہ سارے یورپ میں زبان زد
خاص و عام ہیں ۔ اگر وہ ہماری داستان غم
لکھے گا تو سنگدل سے سنگدل کو موم کر دیگا ۔
یہ ٹھان کر ہم نے لوتی سے مدد مانگی ۔
اور اس نے ہماری توقع کے موافق وعدہ
کیا کہ وہ ضرور ہماری پُر درد داستان کو منظر عام
پر لائیگا ۔ مواد فراہم کرنا ہمارا کام تھا اسلئے
ہم نے خواب و خور حرام کر کے اور دن رات
ایک کر کے اپنی داستان غم کے بکھرے ہوئے
شیرازہ کو یکجا جمع کیا ۔ شکر ہے اُس معبود کا
جو کسی کی محنتوں کو رائیگاں نہیں کرتا ہماری
کوششوں کا نتیجہ "لے دیسنشانتیس" کی شکل
میں رونما ہوا ۔ یہ کتاب لوتی کا شاہکار
نہیں تو سب سے زیادہ مشہور اور سب سے
زیادہ دلچسپ ضرور مانی جاتی ہے ۔
حالانکہ لوتی نے دیباچہ میں اسے ایک
فرضی قصہ لکھا تھا لیکن لوگوں نے ہم پر
شبہ کیا اور حکومت بھی ہم پر قہر آلود نظریں
ڈالنے لگی ۔ یہ دیکھ کر ہمیں بھاگنے کی فکر ہوئی
کیونکہ قریب تھا کہ ہمیں گرفتار کر لیا جاتا ۔ ایسے
جان جوکھوں کے وقت ہماری نظر فرانس پر پڑی
اور ہمیں اپنے عزیزوں سے ہمدردی اور غمخواری
کی توقع تھی ۔ اسلئے ہم نے فوراً فرانس کا رخ کیا
..... ۔ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے
زینب اور ملک کی فراری کا غم والدین کو
اس درجہ ہوا کہ انکی زندگی دشوار ہو گئی اور
تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے گھل گھل کر
انتقال کیا ۔ ملک نے پولانڈ کے ایک صاحب
جائداد شخص سے شادی کر لی اور اس کی شریک
حیات ہو کر اسوقت تک آسودہ حال رہی
جب تک روس میں انقلاب عظیم کا امنڈتا
ہوا بالشویک سیلاب اسکی ساری جائداد
کو بہا نہ لیگیا ۔ اپنی تنگدستی کے ایام اس نے
محنت و مزدوری کر کے کاٹے ۔ پیٹ پر
پتھر باندھا اور سلائی کا کام کرنے لگی ۔
زینب کچھ دنوں تک یورپین تہذیب
کی دلدادہ رہی ۔ اسی عرصہ میں اسنے ایک
یورپین سیاح کی ڈائری ترتیب دی جسکا
مقصد ترکی عورتوں کی ناگفتہ حالت پر روشنی
ڈالنا اور اسے منظر عام پر لانا تھا ۔ وہ اپنے
مقصد میں بڑی حد تک کامیاب رہی کیونکہ
اس نے نہایت عمدگی سے ترکی خواتین کے
حالات یورپین سیاح کی زبانی بیان کئے تھے ۔

لیکن وہ بعد میں یورپین تہذیب سے متنفر
ہوگئی۔ خدا معلوم کیوں؟ اور اس کے
دل میں ترکی کی محبت کا شعلہ دوبارہ بھڑک
اٹھا۔ وہ جدائی کی آگ میں جلنے لگی۔ آخر
ترکی کے انقلاب کے بعد اسے شہر میں آنے کی
اجازت ملی۔ اس نے پھر عورتوں کا سوال
اٹھایا۔ اور بسا اوقات کوشش کی حتیٰ کہ اپنی
عمر کی تیسویں سال کے شروع ہی میں اس نے
اپنے آپ کو آزادی کی دیوی کے آگے بھینٹ
چڑھا دیا۔

اسی دوران میں ترکی میں انقلاب عظیم
برپا ہوا جس نے سلطنت کی کایا پلٹ دی۔
سلطان عبدالحمید جو خود مختار اور بے لگام
حکمران تھا اب پارلیمنٹ کی زنجیروں میں
جکڑ دیا گیا اور آئین و دستور بندی نے اسکے
اختیارات محدود کر دئے۔ اس طریقہ پر ایک
حد تک ترکی کی حالت درست ہوئی۔ اسی
حالت میں عورتوں کی آزادی کا مسئلہ بھی مدبرین
کے آگے پیش کیا گیا۔ عورتوں نے ہر طرف
کھلم کھلا طور پر آزادی کے نعرے لگانا شروع
کر دئے۔ انکا طوفانی جوش و خروش دیکھکر
احمد رضا بے اور رضا توفیق بے نے ممکنہ
مدد کا وعدہ کیا۔ احمد رضا بے خواب و
خیال کی دنیا میں رہنے والا اور بلند پایہ
منصوبے سوچنے والا شخص تھا۔ بجائے اسکے
کہ وہ عورتوں کی زنجیروں کو یکے بعد دیگرے
کاٹتا اس نے کوشش کی کہ عورت کو آن
واحد میں یکدم آزاد کر دیا جائے جو ایکطرف تو
ناممکن تھا اور دوسری طرف نقصان دہ۔
سلمیٰ خانم کو اس نے اجازت دیدی کہ وہ
عورتوں کی آزادی کا جھنڈا فی الفور بلند کرے۔
ساتھ ہی اس نے تعلیم نسواں کی طرف توجہ
کی۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ
ترقی نسواں کے لئے تعلیم نہایت ضروری ہے
لیکن اس نے ایک ناموزوں وقت پر
آئیڈیل تعلیم کا اسکیم پیش کیا۔ سب سے پہلے
اس نے استانیوں کی تعلیم ضروری قرار
دی پھر ایک عظیم الشان کالج کی افتتاح کا
بیڑا اٹھایا۔ چندہ مکمل طور پر جمع ہونے بھی
نہ پایا تھا کہ اس نے رفیع الشان عمارت کا
کام شروع کرا دیا۔ جب سرمایہ جواب دیدیا
اور عمارت کا کام ابھی آدھے سے زیادہ باقی
رہ گیا تو اس نے مزید چندہ جمع کرنے کی کوشش
کی مگر اسوقت تک لوگوں میں یہ خیال پختہ
ہو چکا تھا کہ اسقدر مہتم بالشان عمارت میں
لڑکیوں کو پڑھانا ان کو آرام و راحت کا درس
دینا ہے۔ اس لئے چندہ کی مخالفت
کی گئی اور عمارت ادھوری چھوڑ دینی پڑی۔
رضا توفیق "فلاسفر" کے لقب سے

مشہور ہوا۔ وہ ایک پرجوش اور خوش گو
شاعر تھا۔ لیکن مدبر کی حیثیت سے وہ
احمد رضا بے سے زیادہ ناکارہ تھا۔ کاش
وہ سیاسیات سے علٰحدہ رہ کر شعر گوئی
اور تصانیف کی طرف توجہ کرتا تو ترکی
کو اسکی ذات سے یقیناً زیادہ فائدہ پہنچتا۔
عورتوں کی آزادی کے لئے اس نے سیاسی
میدان میں عبث دوڑ دھوپ کی۔ ہاں
اس نے جو دل ہلا دینے والی اور ولولہ انگیز
نظمیں لکھیں ان سے یقیناً سوئے ہوئے
جذبے بیدار ہوئے اور عورتوں کے مردہ
جسموں میں جان پڑ گئی۔ ان کی ہمتیں بلند
ہوئیں اور حوصلے بڑھ گئے۔ وہ بے ساختہ
میدان عمل میں کود پڑیں اور اپنی جانوں پر
کھیل کر آزادی کی حمایت کرنے لگیں۔
اسکی عزیز شاگرد خالدہ خانم نے لڑکیوں کی
تعلیم کے لئے جو کچھ بھی کیا وہ محض اسی کی
ولولہ انگیز نظموں کا نتیجہ ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم رفتہ رفتہ بری نظروں
سے نہیں دیکھی جانے لگی۔ مگر قدامت پرست
لوگوں اور ملاؤں کا طبقہ اب بھی بدستور
اپنی بات پر اڑا رہا پھر بھی حکومت نے
عورتوں کی تائید میں بعض احکام نافذ کئے
جنمیں سے ایک عورتوں کو سیر و سیاحت
کی اجازت دینا تھا۔ اس سے پہلے عورتیں
ترکی سے باہر نہیں جا سکتی تھیں لیکن اب مدبرین
اور سیاح اپنی اپنی بیویوں کو کھلے بندوں
سیر کرا سکتے تھے۔ عورتوں نے اس موقع سے
فائدہ اٹھایا اور اپنے اپنے شوہروں کو یورپ
کے سفر کی ترغیب دلانی شروع کی۔ اس
کوشش میں بہت سی عورتوں کو کامیابی
نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنی عمر میں
پہلی مرتبہ یورپ کی کھلی اور آزاد فضا میں
سانس لیا۔ بعضوں کی آنکھیں یورپ کے
"جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری" سے چندھیا
گئیں اور بعضوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں

جنگ یونان نے ترکوں کی سلطنت کا
شیرازہ بکھیر دیا اور دائرہ تنگ کر دیا۔ ایسے
آڑے وقت میں وزراء سلطنت نے
جنمیں طلعت پاشا اور انور پاشا زیادہ مشہور
ہوئے ممکنہ کوشش کی کہ وطن پر آنچ نہ آنے
پائے۔ منجملہ ان کے قابل ستائش کارناموں کے
ایک لائق تحسین کوشش ترقی نسواں کی
ہے۔ انہوں نے اپنی بیویوں کو اکسانا
شروع کیا کہ وہ عورتوں کے حقوق کے لئے
جان توڑ کوشش کریں۔ باوجود اس کے
بیگم طلعت پاشا نے اندھا دھند کام کرنے
سے احتراز کیا اور پھونک پھونک کر قدم
رکھا۔ انہوں نے جلسے منعقد کئے۔ مباحثے

اور مشورے کئے لیکن یہ سب کچھ نہایت
احتیاط اور رازداری کے ساتھ - دیوانگی
کی حد تک ولولہ اور طوفانی جوش و خروش
ان کے نزدیک مضر اور نقصان دہ تھا۔
آہستہ آہستہ کوششیں ہوئیں اور ترکی کی
نئی پود کو ترقی اور اصلاح کے لئے اندر ہی
اندر تیار کیا گیا - لیکن انور پاشا کی بیگم نے
توقع کے خلاف کوئی حصہ نہیں لیا - عیش
کیا - رنگ رلیاں منائیں اور دن چین
سے کاٹے -

" ملک کے بہی خواہوں نے دیکھا
کہ وطن پر سخت بپتا آن پڑی ہے - انہوں
نے محسوس کیا کہ ترقیات عامہ - تعلیمات
اور طبابت کے سررشتوں میں عورتوں کی
اشد ضرورت ہے اور وہ ان امور کو
بخوبی انجام دے سکتی ہیں - اس لئے انہوں
نے عورتوں کو ان دفاتر میں مردوں کا
ہاتھ بٹانے کے لئے سب سے پہلی مرتبہ
طلب کیا - ان مدبروں کی دوررس
نگاہوں نے دیکھا کہ پردہ ترقی نسواں
کی راہ میں سنگ گراں ہے اس لئے
انہوں نے حکم دیا کہ عورتیں گھروں سے
باہر نکل سکتی ہیں اور نقاب سے منہ ڈھانکنے
کی چنداں ضرورت نہیں - عورتیں آزادی
کے ساتھ دوکانوں پر خرید و فروخت کر سکتی

ہیں - باغیچوں میں گلگشت اور شام کی
چہل قدمی کی انہیں عام اجازت تھی -
گو اس میں علماء نے فتوؤں کے روڑے
اٹکائے مگر مدبروں نے یقین محکم اور عمل
پیہم سے ترقی کا رستہ ہموار کر دیا - اسکے
علاوہ عورتوں کی تعلیم کو فروغ دینے کی
غرض سے مختلف کالجوں کے دروازے
کھول دئے گئے اور عورتوں کو داخلہ کی
عام اجازت دی گئی -

عورتوں کی آزادی کے سوال کو حل
کرنے میں جو مباحثے ہوتے ان میں خوب خوب
دل کھول کر جوش و خروش کا اظہار کیا جاتا
حامد اللہ صبحی بے کی جوشیلی تقریریں مجمع کے
دلوں کو گرما دیتی اور روحوں کو تڑپا دیتی تھیں
ایک مرتبہ انہوں نے عورتوں کو مخاطب
کرتے ہوئے کہا :-

" کیا تم نہیں دیکھتیں کہ یورپ تمہاری
حالت پر ہنس رہا ہے تمہیں قابل
انگشت نمائی سمجھتا ہے - اور
تمہیں قعر ذلت میں دیکھکر
طعنہ زنی کرتا ہے . . . . . .
ہم تمہاری مدد کے لئے ہر طرح
تیار ہیں لیکن تم ہی کہ بے نیاز -
تمہارے کانوں پر جوں تک
نہیں رینگتی - تمہیں احساس لیتی

نہیں ہوتا۔ وائے رے غفلت اور ہائے
سے نادانی! ...... ہم چاہتے
ہیں کہ عورت ہماری شریک کار بنے
اور ہمدم وہمساز رہے نہ کہ لونڈی....
تم چہرے پر نقاب ڈالتی ہو جو کہ غلامی کی
نشانی ہے اور کھلے بندوں میدان عمل
میں نہیں آتیں جو کہ کم ہمتی اور پستی کی
علامت ہے...... ملا کہتے
ہیں کہ نقاب عورت کی عصمت وعفت
کا محافظ ہے اور وہ تمام برائیوں کو روکتا
ہے اس لئے تم نقاب پہنتی ہو۔ کیا
خوب! ۔ وہ اگر یہ کہیں کہ عورتوں کی
زبانوں سے جھوٹ کا اندیشہ لگا رہتا
ہے اس لئے ان کا کٹوا دینا مناسب
ہے تو کیا تم اِن کے کہنے پر عمل کروگی۔

....

عورتیں قطار در قطار ہوئے سیاہ کیا نوکس
کی نقابیں ڈالے بیٹھی سنتی رہیں۔ اس
تقریر سے انکے قلوب میں گرمی کی ایک
غیر معمولی لہر دوڑ گئی۔ جوش وخروش کا
ایک دریا ان کے سینوں میں لہرانے لگا
اور انہوں نے ٹھان لی کہ چاہے کچھ ہو
وہ مضبوطی سے اپنے نصب العین پر
اڑی رہنگی۔ وہ بیٹھیں تو یہی سودا سر میں
لئے ہوے۔ چلیں تو اسی دھن میں

لیکن سوال یہ کہ کون اِنکا سرغنہ مقرر ہو
اور کون پیش رو۔ انہیں اس تاریکی سے
نکالنے کے لئے ایک شمع کی رہنمائی کی
ضرورت تھی ایسے وقت میں انکی نظر
خالدہ خانم پر پڑی جنکے مضامین تعلیم و
تربیت سے متعلق ترکی بھر میں خاص
شہرت و وقعت رکھتے تھے۔ انہی کی
کوشش سے طرز نو پر تعلیم دیجانے لگی
اور انہی کی محنت سے نخل تعلیم بارآور ہو۔
ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی غنیمت
ہوتا ہے۔ خالدہ خانم نے ترقی نسواں
کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی حکومت کو
بار بار توجہ دلائی لیکن مشکل یہ تھی کہ کوئی
حکمران عورتوں کو بالکل قید و بند سے آزاد
کرانے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ ایک طرف
تو اسکو روایات قدیم کا ڈر۔ دستور قدیم
کا لحاظ اور دوسری طرف ملاؤں کے
فتوؤں کا خطر۔ بھلا ایسی نازک حالت میں
عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش
میدان ترقی میں کھڑا کرنیکی جراءت کرنا
بادشاہ کا اپنی جان آپ جوکھوں میں ڈالنے
سے کم نہ تھا۔ اس مہم کے سر کرنے کے لئے
اگر کوئی موزوں ہو سکتا تھا وہ صرف غازی
مصطفےٰ کمال پاشا تھا۔ یقین محکم اور عمل پیہم
وہ ذرائع تھے جن کی مدد سے عورتوں کی

غلامی کی زنجیریں کٹ سکتی تھیں۔ ملک کو اس پر بھروسہ تھا اور اسکو ملک پر اعتماد۔ اس کے علاوہ ترکی کی قسمت میں بھی لکھا تھا کہ عورتوں کی غلامی کی زنجیریں کمال کی تیغ سے کٹیں اور مصطفےٰ کے ہاتھ سے ان کے نقاب الٹیں۔

طلعت پاشا کی تجویز کے خلاف ترکی نے جنگ عظیم میں برطانیہ کے خلاف ہتھیار اٹھائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ ۱۹۱۹ء کے صلحنامہ سے ترکی کو کوئی فائدہ نہ پہنچا حالانکہ دوسری سلطنتوں نے ایک حد تک شیرازہ بندی کرلی اور اپنی منتشر قوت یکجا کرلی۔ ابھی ترکی کو جنگ عظیم کی مصروفیتوں سے چھٹکارا ہوا ہی تھا کہ ملک میں اندرونی بےچینی اور حکومت سے بیزاری کے آثار رونما ہوئے۔

مصطفےٰ کمال نے اپنی جان پر کھیل کر غریب رعایا کی مصیبتوں کو بچانے کوشش کی۔ اور وعدہ کیا کہ عورتوں کی نازک حالت کو درست کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیگا۔ اس نے نہایت جوش کے ساتھ یقین دلایا کہ وہ دن دور نہیں جبکہ عورت اور مرد پہلو بہ پہلو شاہراہ ترقی پر گامزن ہوں گے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ کمال نے اپنا وعدہ کس طرح پورا کیا اور مرد اور عورت کو ایک ہی بلندی پر کیونکر کھڑا کردیا۔

ترکی عورتیں کبھی اس کے اس احسان عظیم سے سبکدوش نہیں ہوسکیں۔

قطعات

(مولانا امجدؔ)

کررہا ہوں ہر ایک کی پوجا   بندگی کا ثبوت دیتا ہوں
چل رہی ہے زبان آٹھ پہر   زندگی کا ثبوت دیتا ہوں

(قطعہ)

آیا ہے زمانۂ ترقی ؛   گندہ بندہ خدا ہوا ہے
ایمان سے دل صاف کر کے   امجدؔ صوفی بنا ہوا ہے

(رباعی)

اِس سے خواہش کروں، کہ اُس سے مانگوں
حاصل کچھ بھی نہیں ہے جس سے مانگوں
پہلے مجھے حق کیا ہے؟ اگر کچھ ہے بھی
حق اپنا سوائے حق کے کس سے مانگوں

(محمد عبد الرزاق بسمل)

نیچر کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ کائنات میں جہاں ایک صورت دوسری صورت سے نہیں ملتی۔ وہاں خیالات۔ عادات۔ جذبات تاثرات۔ میں بھی تضاد اور اختلاف عظیم ہے؟ پھر رحمت ہو "عشاق" پر کہ یہ بھی عجیب طرفہ معجون ہیں کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا "افلاطونی" ہوتے جائینگے۔ جن کے رہنے بسنے کا نہ آج تک پتہ نشان ملا۔ ذیل میں چند ایسے ہی وارفتہ مزاجوں کے حالات قلمبند کئے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے شب ہائے کامرانی کہئے یا شب ہائے ناکامی کی مصوری کی ہے۔ تمنائے دادنہ بھی اگر ان حسرت نصیبوں کا ماتم ہی کیا جائے تو گویا منہ مانگی مراد حاصل ہو گئی۔

۱۔ شب وصال کی کامرانی اپنے اندر جو لذت ومسرت۔ جذبات وتاثرات پنہاں رکھتی ہے اوسکی لذتوں کو یاد کرکے ایک دل ریش یوں نغمہ سنج ہے:۔

"رہینگی یاد وہ بھی صحبتیں وہ وصل کی راتیں"
"کہ پردہ شام سے چھوڑا تو ہنگام سحر الٹا"

دیکھا آپ نے! پردہ شام سے جو چھوڑا گیا تو ہنگام سحر نہیں اٹھا۔ غریب دلدادہ جس نے مدتوں اپنی راتیں اختر شماری، اور دن گریہ وزاری کے نذر کئے تھی آخر کرتے کیا۔ یہی نالہ ہنگام سحر تک اپنی داستان حزین اور افسانہ درد سنایا ہوگا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ عشاق کی داستانیں کچھ مختصر تھوڑی ہوتی ہیں کہ جلد ختم ہوں اسلئے کئی راتیں بھی کافی نہیں۔ اگر سحر تک پردہ پڑا رہا تو کسی کو رشک کرنے کی وجہ؟

۲۔ ایک وہ بھی دست از رفتہ عاشق ہے کہ دل میں خیالی پلاؤ پکاتا اور یہ تمنا

رکھتا ہے کہ شب وصال کا موقع ملے تو آلام
عاشقانہ سنائیگا۔ اپنا جگر صد رخم دکھائیگا۔
اوس کا علاج اور اوس کا مداوا خواہ مخواہ
کسی مسیحا نفس سے چاہیگا۔ اور یہ جو اپنے
اختر برگشتہ بخت اور قسمت نارسا کا ماتم دار
ہے اوس کو یار کے تشریف آوری کی اطلاع
ملتی ہے لیکن اس نوید پر وہ کچھ ایسا بوکھلا
جاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ کوئی تدبیر
بن نہیں پڑتی اور لطف یہ کہ تہیدستی اور
بے بضاعتی نے غریب کو اس لایق بھی
نہیں رکھا۔ کہ بہائے دید میں کچھ سوغات
پیش کر سکے بے اختیار چیخ اوٹھتا ہے۔

ہے خبر گرم اون کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریہ نہوا

حقیقت یہ ہے کہ یہ تشریف آوری غریب
کے لئے "تم یاد لی" نہیں تھی بلکہ اُس کے
حق میں تو پیام موت ہے۔ ورنہ اگر معاملہ
بس کا ہوتا تو اپنی روح بھی شیطان کے
ہاتھ فروخت کرنے میں تامل نہوتا۔ کیونکہ
اوسے خوف ہے کہ آنے والا کہیں راستہ
سے پلٹ جائے اور مدتوں کی شب بیداریاں
برسوں کا ریاض غارت جائیگا۔

۳۔ ایک اور واقعہ سنئے فرماتے ہیں:-

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کا مرض کچھ استسقاء
سے ملتا جلتا ہے جس طرح استسقی کا مریض
پانی پیتے پیتے تمام ہو جاتا ہے اسی طرح
آپ کی محبت بھی ہل من مزید کے نعرے
لگاتی ہے۔ گویا آپ کی شب کامرانی
کیا ہوئی بلکہ عذاب جان۔

۴۔ ایک وہ بھی عاشق محترم ہیں کہ
جس کی دنیائے حسن و عشق محض دوست کا
ادب و احترام ہے۔ بجز اس کے آپ
کسی اور شئی کے تمنائی نہیں۔ یا یحیرنے
اتنا جری نہیں بنایا۔ مدت کے بعد آپ کا
آہوئے رم خوردہ رام ہوتا ہے چونکہ
"جوانی کی راتیں مرادوں کے دن" ہیں
اور طبیعت میں الہڑپن بھی زیادہ ہے اسلئے
سرمست خواب آتا ہے اور کلبۂ تاریک میں
محو خواب ہو جاتا ہے۔ عاشق ادب آموز
ادب و شوق کے ساتھ ہاتھ باندھے اپنے
جذبات کو فضائے بسیط میں یوں مرتعش
فرماتے ہیں۔

"یار آرام میں ہے وصل کی شب ہے آخر
متفکر ہوں کہ بیدار کروں یا نہ کروں"

اگر بیدار کرنے کی جرات کرتے ہیں تو عتاب کا
خوف دامن گیر ہے۔ اگر خاموشی اختیار
کرتے ہیں تو صبح ہو جانیکا اندیشہ لگا ہوا ہے
شکار جو زد پر ہے وہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔

اسی تذبذب اور سوچ بچار میں شب وصل
گذر جاتی ہے۔
۵ ۔ ایک تو گرفتار محبت ہیں جو رسم اسیری
سے پوری طرح واقف نہیں اور اس پر غضب
یہ ہے کہ فطرۃ نے شرم و حیا کے تقسیم کے وقت
انہیں ضرورت سے زیادہ اس کا حصہ دیدیا
اسلئے حیا مانع عرض حال ہے چنانچہ
شرماتے ہوے اور کچھ لجائے ہوے یا ئین
ہیئت کذائی کہ ہاتھ دونوں بندے ہوے
ہیں۔ آنکھیں زمین کی جانب جھکی ہوئی ہیں
اور کنکنھیوں سے کبھی کبھی دیکھ لینے کی جرات
بھی فرمالیتے ہیں۔ رک رک کر وہاں ہوروں
سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:۔

"عاشق تازہ ہوں اور وصل کی پہلی شب ہے
شرم سے کہہ نہیں سکتا ہو نکہ کچھ مطلب ہے"

کیا رائے ہے جناب کی اس عالم میں جبکہ
آپ عشق کے مدعی بھی ہیں اور وصال
کے لئے بے تاب و بیقرار بھی۔
۷ ۔ ایک اور مایوس العلاج ہیں مدتوں کی
ریاضت اور برسوں کی دشت نوردی کے
بعد آپ کو شب وصال سے سابقہ پڑا اور
آپ کا محبوب آیا لیکن کس حال میں کہ حبیت
کا ٹمپریچر ۹۱۳ ڈگری تھا باوجود آپ کی عنید کی
تمناؤں کے وہ ڈون (نارمل) نہ ہو سکا چنانچہ
اپنی نامرادی کی داستان کسقدر رمعدہ الفاظ

میں بیان کرتے ہیں:۔

"شب وصال میں لیکن بدمزاجیاں اس نے
لڑائیاں رہیں بوس وکنار کے بدلے"

شائد آپ کی رات۔ شب وصال نہ تھی
بلکہ عرصہ جنگ و جدال۔ اور معرکہ چین و
جاپان۔
۷ ۔ ایک اور حسرت در آغوش۔ تمنا
بردوش ہیں۔ جنکو بخت کی یاوری سے
شب وصال کا اتفاق ہوا تھا مگر اب بھی
وہ اسی تمنا میں اپنی بقیہ عمر کاٹ رہے
ہیں کہ کاش پھر ایک دفعہ یہ قران السعدین
نصیب ہو ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اک شب مرے گھر آن کے مہمان رہے تھے
آتے نہیں اس شرم کے مارے کئی دن سے"

نہ جانے آپ نے کیا سلوک کیا کہ وہ ادھر
جھانکر دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔
۸ ۔ ایک اور واقعہ سنئے کہ آپ نے
یہ تہیہ کر لیا تھا کہ شب وصال بیجا ناز و
شتر غمزے کے نذر نہ ہو جائے غرض
"مشغلہ چاہئے کچھ دل کے بہلنے کے لئے"
عرض کرتے ہیں:۔

"شب وصال میں بکھرے جو بال کروٹ سے
تو بوسے گالوں کے زلفیں ہٹا ہٹا کے لئے"

ماشاء اللہ آپ کے اخلاق کی داد دینی چاہئے
کہ کس جرائت سے اپنا کارنامہ تحریر کر رہے ہیں۔

اور اپنی حرکات پر نازاں بھی ہیں۔

۹۔ آپ کے حسرت نصیبوں پر تو ہمارا بھی جی کڑھتا ہے۔ شب وصال نصیب تو ہوئی لیکن کسی عالم میں جس کا بیان نہایت رقت خیز ہے۔ گریبان چاک ہے۔ آنکھیں نمناک۔ دل سے سرد آہیں بھی نکل جاتی ہیں۔ ایک ہاتھ سینہ پر دھرا ہوا ہے۔ جو حسرتوں کا پتہ دے رہا ہے نہایت پریاس طرز میں فرماتے ہیں ــــــ آہ :۔

وصل کی شب ہی رہی وصل کی حسرت دل کو
حضور کچھ نہ پوچھئے :۔ تب وہ بیدار ہوے نیند سے جب رات نہ تھی۔

خوب! رات تو یوں برباد کی اور اب رات کے ہونے پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔ اس سے فائدہ؟ "جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

۱۰۔ ایک اور داستان ملاحظہ ہو۔ جنہوں نے شب عید کی امید میں اپنی درازی عمر کی دعائیں مانگی ہیں۔ لاکھوں آرمانوں اور تمناؤں کے ساتھ تہیہ کرتے ہیں :۔

"وصل میں ہم خوب سا تم کو چکھائیں مزہ
خیر وفا گر کرے زندگی مستعار"

لیکن کیا توقع کہ جناب کی زندگی مستعار وفا کرے اور جو وفا بھی کرے تو اسکی کیا گیارنٹی ہے کہ شب وصال میسر آئے۔

۱۱۔ ایک اور ناکام محبت والفت میں جنکی سقیم حالت لایق مضحکہ نہیں تو قابل رحم وہمدردی ہے کیونکہ وہ ایک زمانہ کے شہہائے وصال افسانۂ لطف و مسرت گوش گذار فرماتے ہیں۔ اور اپنے سیہ نصیبی کا موازنہ دوسروں کے خوش اقبال زندگی سے کرتے ہیں اور نہایت حسرت والم غایت تضرع کے ساتھ یوں فریاد الم بلند کرتے ہیں۔

"ملا ہوگا کسی کو باوفا کوئی مقدر سے
ہوا ہوگا کسی کو وصل ہم تو عمر بھر ترسے"

حالانکہ آپ بقید حیات ہیں شائد غلبۂ محبت میں یہ تصور کر لیا کہ آپ انتقال فرگئے ہیں یا یہی مناسب سمجھا کہ پیشگی مرثیہ ہی کیوں نہ کہدیا جائے کہ دوسروں کو وقت پر آپکا مرثیہ کہنے کی فرصت نہ ملے یا خیال تھا :۔

"احسان نہ لے ہمت مردانہ کسی کا"

غرض کہاں تک ایسی بپتا بیان قلمبند کی جائیں دلسوزی کیجئے تو احسان ورنہ دنیا تو محض ہنسنے اور ہنسانے کے لئے تیار ہے۔

اوزن ہال کا منظر

جناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ

جا نکر گم کردہ راہ وادئ غربت مجھے　　دے رہی ہے گردشیں کیا کیا مری قسمت مجھے

خود نمائی کا بھلا ہو وقت پر کام آگئی　　غیر ممکن تھا نظر آتی تری صورت مجھے

ناز اُٹھانے کے لئے مجھکو دیا خالق نے دل　　غیر کے احسان اٹھانے کی نہیں طاقت مجھے

ہوتے ہوتے ہوگئیں آسان ساری مشکلیں　　ملتے ملتے مل گیا سرمایۂ راحت مجھے

بے خیالی بیخودی واماندگی وارفتگی　　مل گئے ہیں یہ رفیقِ گوشۂ عزلت مجھے

اس محبت کا برا ہو بدگماں ہوں اسقدر　　دیکھتے ہیں آئینہ وہ ہوتی ہے حیرت مجھے

کون پہنچائے اسیر دل کی خبر صیاد کو　　نالہ و فریاد کی بھی رہ گئی حسرت مجھے

دور منزل راہ پُر خم دل ضعیف و ناتواں　　اب خدا ہی دے تو دے رفتار کی طاقت مجھے

خواب ہی میں دولت دیدار ہو جاتی نصیب　　وہ نہیں تو نیند ہی آتی شب فرقت مجھے

خواہ باندھیں خواہ جکڑیں دل ٹھہرتا ہی نہیں　　زلف کا سودا ابھی ہے خالی ہیں وحشت سے مجھے

محو اس کی یاد نے کچھ کر دیا ایسا عزیزؔ

آئے دن کی آفتوں سے ہو گئی فرصت مجھے

زوج من عود خیر من قعود

(حیات الشعراء و بنات الشعرا)

جناب سید غلام حسین صاحب آفاق ہاشمی

عرب کی آب ہوا شاعری اور درازی عمر کے لئے کچھ ایسی موافق آئی کہ وہ سو سے زیادہ ایسے شعرا گذرے ہیں جنکی عمریں (۱۲۰) سال سے زائد ہوئی ہیں۔

حرثان بن لوث بن حارث جسکا لقب ذو الاصبع تھا اپنے زمانہ کا ایک بہترین ادیب اور شاعر ہوا ہے نیز عرب کے ایک بڑے علاقہ کا جو یمن کے قریب ہے فرمانروا تھا۔ اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے (۲۳۹) برس بعد اور بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے (۳۳۹) سال قبل کا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں اشعار جمع کرنے یا لکھنے کا عام رواج نہ تھا۔ لیکن قوت حافظہ اس بلا کی ہوتی تھی کہ دیوان کے دیوان دماغوں میں محفوظ تھے۔ غالباً کتابوں میں بھی اتنے اشعار جمع نہ ہوئے ہونگے جو اوس زمانہ میں بعض دماغوں میں موجود تھے۔

یوں تو شعر ہر ایک کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا حساً فکراً لساناً ہر وجود شاعر واقع ہوا تھا۔ جب کبھی اور جہاں کہیں کسی جذبہ کا اظہار ہوتا تھا وہ اشعار کی صورت میں۔ پھر لطف یہ کہ سننے والا اسکو اپنے دماغ میں محفوظ کر کے "جریدہ عالم میں ثبت دوام" کی مہر لگا دیتا تھا۔

ذوالاصبع نے (۳۰۰) برس کی عمر پائی تھی۔ جسکی چار لڑکیاں تھیں اتفاق دیکھئے کہ چاروں کی جوانی کا آفتاب عروج سے قبل زوال کی جانب مائل ہونے لگا۔ مگر شادی کا سرانجام نہو سکا۔

ایک روز ان بہنوں نے تنہائی میں جہاں یہ خیال تھا کہ ان کے جذبات سے کوئی باخبر نہو سکیگا۔ یوں خیال آرائیاں کیں۔ یہ ایک فطری جذبہ تھا جس کے تحت وہ مصروف تکلم تھیں۔ ایک نے دوسری کو ابھارا کہ مستقبل میں جب شادی کا وقت آئے شوہر کن کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے۔ بڑی لڑکی نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہا۔ جیسا شعراء عرب کا دستور ہے۔

اَلَا ھَلْ اَرَاھَا لَیْلَۃً وَضَجِیْعُھَا
اَشَمُّ کَنَصْلِ السَّیْفِ مَھِنْد
عَلِیْمٌ بَادْوَاءِ النِّسَاءِ وَاَصْلُہٗ
اِذَا مَا انْتَمٰی مِنْ سِرِّ اَھْلِیْ وَمَحْتِدِ

ترجمہ :۔ کیا ہوسکتا ہے کہ ایسی رات ہم دیکھیں جسمیں شب باش ایسا شخص ہو جو تیغ ہندی کی طرح اصالت کا سچا ہو۔ اور وہ عورتوں کی دوائیں جانتا ہو۔ اور جس کا نسب ہمارے خاندان اور کعب سے ملتا ہو

فی البدیہہ اور فصیح و بلیغ شعر کہدیا تو عرب کے عورتوں اور مردوں کا ایک معمولی سا کرشمہ تھا مگر ان اشعار سے شاعر کی ادبیت اور اسکا جذبہ۔ اور عام اخلاقی حالت اور حمیت کا اندازہ کرنے میں ایک تنقید نگار کو ان خوبیوں سے منکر نہ ہونا چاہئے

"کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایسی رات نصیب ہو"! اس سے ان جذبات کا اندازہ کیجئے جو ایک ایسی جوان عورت کے دل میں ہوں جسکی جوانی کا درخت پھولنے پھلنے سے پہلے سوکھ رہا ہو۔ "جو عورتوں کی دوائیں جانتا ہو" یہ فقرہ جذبات اور ادبی بلاغت دونوں کا جامع ہے۔ اور اس کی ادبی جامعیت یہ ہے کہ جن کے تعلقات عورت کے مرد کے ساتھ آخر وقت تک رہتے ہیں سب پر محیط ہے۔

میرے خیال میں فی البدیہہ اشعار کا اسقدر بلیغ ہونا عرب کے امتیازات خصوصی سے ہے یہ لڑکی جو ایک بادشاہ ایک شاعر۔ اور عالی نصب ذوالاصبع کے خون کی حصہ دار ہے کہتی ہے کہ اسکا آیندہ شوہر وہ ہو جو اشم ہو۔ اشم کے اتنے معنی ہیں کہ ایک لفظ میں اس کا اردو ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ اشم کا اطلاق حسب ذیل مردوں پر ہوتا ہے۔

جو بلند جگہ پاتے ہوں۔ یا بالذات

بلند ہوں۔ اور بلند مرتبت ہوں۔ اور
وسیع النظر ہوں۔ اور جن کی دماغی قوتیں
زیادہ رسا ہوں۔ اور ہر کیفیت کے
جلد پہچان لینے والے ہوں۔ اور جہاں
تیغ ہندی سے مثال دی ہے وہ یہ کہ
صاحب جوہر ہو کر اور ریختہ ہو۔ اور کوئی
تعجب خیز بات نہیں کہ ایک بہادر قوم
کی لڑکی یہ جانتی ہو کہ کونسے اسلحہ کس ملک
کے اچھے ہوتے ہیں۔ چوتھے مصرع میں
اس شریف زادی نے اپنے شوہر کے لئے
یہ شرط لگائی ہے کہ اسی کے خاندان سے
ہو جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک کوئی
نفسانی جذبہ اسکی خاندانی عزت وخودداری
پر غالب نہ آسکا۔

اُس سے چھوٹی لڑکی ان کے بعد
اپنے جذبات کی یوں ترجمانی کرتی ہے۔

اَلَا لَیتَ زَوجِی مِن اُنَاسٍ اُولِی عُلًی
حَدِیثُ الشَّبَابِ طَیِّبُ الثَّوبِ وَالعِطرِ
لَصُوقٌ بِاَکبَادِ النِّسَاءِ کَاَنَّهُ
خَلِیفَةُ جَانٍ لَا یَنَامُ عَلٰی وِترِ

ترجمہ۔ اے کاش میرا شوہر میرے ہی
خاندان سے ہوتا اور اس کے دشمن
زیادہ ہوتے"۔ (حدیث الشباب کا
ترجمہ ناممکن ہے مفہوم آگے بتایا جائیگا)

خوش پوشاک اور خوشبو عورتوں کے
سینہ سے ایسا لپٹنے والا جس طرح یار پیچاں
لپٹا ہے اور جگر بندی کرلیتا ہے اور اتمیں
یہ صفت بھی ہو کہ تنہا نہ سویا کرے۔

یہ لڑکی نازک خیالی میں اُس سے زیادہ
اور خودداری میں کم ہے۔ کہتی ہے "میرا
شوہر ایسا ہو کہ اس کے دشمن بہت ہوں"
ہمت اور بلند حوصلہ کو دیکھئے کہ جو ذی مرتبہ
ہوتا ہے وہ محسود خلائق ہوتا ہے۔
اور جو شخص ردی حالت میں ہوتا ہے
اُس کا کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ دوسرے
مصرع میں کہتی ہے کہ "خوش وضع اور
خوش لباس ہو" جس سے رنگینی اور
فصاحت کا اندازہ ہوتا ہے اور "طیب الثوب"
کے "بعد العطر" ایسے موقع پر آیا ہے کہ
نحوی ترکیب کے تبدل وتغیر سے تین
معنی ہوتے ہیں۔ لباس۔ عمدہ اور عطر
قیمتی ونفیس ہو۔ لباس میں اس کی خوبو
کے ساتھ عطر بھی لگا ہو خوش لباس اور
خوش وضع ہونے کے علاوہ خود اس کا جسم
بالذات معطر اور معنبر ہو۔ اسی مصرع میں
حدیث الشباب ایک ایسا بلیغ اور جامع
لفظ ہے جسکی تعریف نہیں ہوسکتی۔
حدیث الشباب کے حسب ذیل معنی
ہوتے ہیں۔

وہ ذات جو منشاءِ شباب ہو یعنی شباب کو
ایک ذات مدرک سمجھیں اور اس کا مقصود
اصلی و منشا، یا نصب العین۔ اور لفظ
حدیث نوجوان۔ نوخیز۔ کم عمر۔ امرد کے
معنی میں کثرت سے مستعمل ہے۔ زیادہ
لطیف بات یہ ہے کہ کسی نووارد چیز کو
بھی حدیث کہتے ہیں۔ دوسرا شعر تو بس
قیامت ہی کا ہے۔ کہتی ہے کہ "عورتوں
کے سینہ سے اس طرح ملصق۔ وصل۔
چسپاں اور ہم آغوش ہوتا ہو" جس طرح
مار پیچان لپٹا اور کستا ہے" یہ مضمون تمثیل
میں تو اپنی نظیر رکھتا ہی نہیں۔ مگر ہم آغوشی
کی آرزومندی کا ترجمان اس سے بہتر
میرے خیال میں ناممکن ہے۔ چوتھے
مصرع کا آخری جزو ایک عجیب و غریب
چیز ہے۔ "لا نیام علی وتر" جب سویا کرے
تو زوج او رجفت ہو طاق نہ ہو۔ اسکا
مفہوم محاورۃً یہ ہے کہ تنہا نہ سوئے مگر
لغوی نکتہ یہ ہے کہ ایک سے زیادہ عورت
نہ ہو۔

تیسری لڑکی جوان دونوں سے چھوٹی ہے کہتی ہے

> ألا ليتهُ يكسى الجمالَ نديّهُ
> لهُ جفنةٌ تسعُ المعزَ والجزرْ
> لهُ حكماتُ الدهرِ من غيرِ كبرةٍ
> تشينُ فلا فانٍ ولا ضرعٌ غمرُ

اگرچہ کہ اس نے اپنے شوہر کے لئے کوئی
نعت استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ضمیر سے کام
لیا ہے۔ اس اشارہ نے صراحت سے
زیادہ لطف دیا ہے۔ کہتی ہے "کاش
وہ ایسے ہوتے کہ ان کی مجلس صاف۔
ستھری" آراستہ و پیراستہ ہوتی۔ اور انکا
خوان طعام ایسا وسیع ہوتا کہ بکرے اور
اونٹ کے گوشت سے مملو ہوتا۔
اگر لفظ (معزو جزر) کے حرکات بدل دیئے
جائیں تو پھلوں اور خرموں کے معنی ہونگے۔
وہ ایسے ہوتے کہ دنیا کے حکیموں اور عقلمندوں
میں ایک فرد ہوتے۔ اور ان میں ناتجربہ
کاری اور اوچھاپن نہ ہوتا۔

چوتھی لڑکی فطرۃً کم گو ہے سب کے
رنگ ڈھنگ دیکھتی ہے۔ اور خاموشی سے
سب کی باتیں سنتی ہے جب سبھوں نے
ملکر اوس کو مجبور کیا اور طعنے دینے لگیں
کہ دوسروں کے بھید تو چپکے بیٹھی سنا کی
اور اپنے دل کا راز نہیں کہتی۔ تو اس نے
کہا کہ سنو بہنوں۔ میں شعر و شاعری تو کچھ
جانتی نہیں۔ مگر صرف اسقدر کہہ سکتی ہوں

(زوجٌ من عودٍ خیرٌ من قعودٍ)

یعنی۔ لکڑی کا بھی شوہر ہو تو اس سے
بہتر ہے کہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر میں

بیٹھی رہے۔ نثر کے اس معمولی اور چھوٹے
فقرہ میں نفسیات اناث کا وہ فلسفہ ہے
اور جذبات و تاثرات کا وہ طوفان تھا۔
کہ ادھر خلوت سے نکلا اور عرب کے
تمام میدانوں اور شہروں میں پھیل گیا
اور اس وقت سے آج تک ضرب المثل
ہے۔ جو کوئی شخص اپنے داماد کی شکایت
کرتا ہے اور بیٹی کو گھر میں بٹھا لیتا ہے
جب لوگ اُسے سمجھانے آتے ہیں تو
وہ تمثیلاً کہتے ہیں۔ "زوج من عود خیر من
قعود"۔ یا جس کا شوہر بُرا ہوتا ہے اور
اُس کی ہمجولیاں عورت کی ہمدردی ہیں
اُس کے شوہر کی بُرائی کر کے اس کے دل
کو ٹھنڈا کرنا چاہتی ہیں تو وہ شریف زادی
صاحب عفت کہتی ہے "زوج من عود
خیر من قعود" اور صرف یہی نہیں ہوا کہ
امثال عرب میں ایک مثل کا ادبی اضافہ
ہوا۔ بلکہ جو لوگ اپنی جوان لڑکیوں کی
شادی میں غفلت اور بے پروائی کرتے
تھے۔ وہ دفعتہً ہوش میں آگئے اور آج
بھی جس کو یہ جملہ یاد آجاتا ہے اور جسکے
گھر میں بیاہنے کے قابل لڑکیاں ہوتی ہیں
تو وہ چونک اُٹھتے ہیں اتفاق دیکھئے کہ
جس کمرہ میں یہ چاروں لڑکیاں مخلی الطبع
تھیں اُسی سے متصل ذوالاصبع بھی موجود
تھا۔ اور خود بخود اس کے دل میں یہ خیال
آیا کہ انکی باتیں سننا چاہئے غرض ذوالاصبع
نے اول سے آخر تک سب کی داستانیں
سُنیں اور اس افشاء راز سے اتنا فائدہ
ہوا کہ چاروں کی بہت جلد شادیاں
ہوگئیں۔ اور حسن اتفاق یہ کہ ہر ایک کا
شوہر اونہیں کے خواہش کے موافق
ملا۔ جس لڑکی نے اپنے اشعار میں جیسے
صفات بیان کئے تھے انہیں اوصاف
کا شوہر بھی اُس کو ملا۔ زیادہ حیرت انگیز
واقعہ یہ ہوا کہ سب سے چھوٹی لڑکی جس نے
کہا تھا کہ "لکڑی کا بھی شوہر ہو تو اس
سے بہتر ہے کہ ماں باپ کے گھر میں بیٹھی
رہے"۔ اسکو بھی ویسا ہی شوہر ملا۔
یعنی بالکل کاٹھ کا اُلّو۔ جس کا حال
اُسوقت معلوم ہوا جب ایک برس
بعد ذوالاصبع نے اپنی سب لڑکیوں کو
بلوا کر حالات دریافت کئے۔ ۔ ۔ ۔
ہر ایک نے اپنے اپنے شوہر کے اوصاف
بیان کئے۔ چھوٹی لڑکی اپنے شوہر کا
حال یوں بیان کرتی ہے کہ "شرُّ زوجٍ
یکرمُ نفسہ یھینُ عرسہ"۔ یعنی
بدترین شوہران ہے۔ اپنے آپ کو بنائے
چنائے رکھتا ہے اور بیوی کو ذلیل و خوار
اس موقعہ پر جبکہ نفسیات کا ذکر آگیا ہے

ہم اس عام خیال سے اپنا اختلاف ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی عورتیں شرم و حیا میں عرب کی عورتوں سے زیادہ ہیں۔ یہ ایک غلط خیال ہے واقعات بالکل اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ بلکہ جن امور میں عورتوں کو شرم کرنی نہ چاہئے اُن میں شرم کرتی ہیں اور عرب کی عورتیں ایس کے برعکس ہیں۔ لیکن جذبات میں دنیا کی عورتیں مساوی ہیں۔

شاعر فلسفی سے

جناب علی اختر صاحب اختر

تری نگاہ ہے وابستۂ فریب نمود
بہ این رعونت پندار و ناز بینائی
جگا سکی نہ تجھے اے رہین خواب گراں
بہار کی چمن افروز نغمہ پیرائی
مٹا سکی نہ تری روح کی جبین سے شکن
فروغ ماہ میں لیلائے شب کی رعنائی
گرا سکی نہ کبھی بجلیاں ترے دل پر
سواد شب میں عروس سحر کی انگڑائی
تجھے نہ کیف کے رازوں سے کر سکا آگاہ
تبسم لب شیرین جمال برنائی
یہاں کہ ذرۂ خاکی ہے آفتاب فروش
یہاں کہ ریزۂ مینا ہے جام صہبائی
یہاں کہ سینۂ خس میں دواں ہے روح ہما
یہاں کہ رقص شرر میں ہے نور سینائی
تجھے خبر بھی ہے ناواقف سرشت حیات
کہ راز بیخبری ہے کمال دانائی

ہوا نہ صرف یقینِ رنگ احتمال ترا
تغیرات کی زد میں رہا کمال ترا

اگرچہ میں بھی ہوں گم کردۂ طلسمِ حیات
مجھے ہے اک کھیل مگر اس جہان کی بوالعجبی
یہ جانتا ہوں کہ ہے اک ادائے پرتوِ رنگ
تلاطمِ سحری ہو کہ خوابِ نیم شبی
ملا ہے فیض سے فطرت کے وہ دلِ آگاہ
کہ موجِ بادۂ عرفاں ہے میری تشنہ لبی
غلط نہیں ہے اگر ہو زراہِ کیفِ جمال
خسِ ذلیل کو بھی دعوائے چمن نسبی
کشش ہے کس کی کہ از ماہ تا بہ ماہیِ آب
ہر ایک ذرہ ہے آسودۂ فنا طلبی
ملے جو ساغرِ زہرآب مسکراتا ہوں
کہ اس میں پاتا ہوں میں روحِ آتشِ عنبی
کسی کا عکس ہے نبضِ حیات کی جنبش
یہ کائنات ہے ہم رنگِ شیشۂ حلبی
مجھے تلاش ہے جس کی وہ مل چکا ہے مجھے
بہ این جسارتِ رندی و شانِ بے ادبی

ہجومِ دہر میں سرگرمِ اہتمام ہوں میں
فنا پذیر ہے تو طالبِ دوام ہوں میں

دیواری چہرہ

جناب سید محمد ہادی صاحب جعفری

(۰)

کل شام ہم قیصر کے بنگلہ میں بیٹھے گپ شپ میں مصروف تھے۔ اور ہر ایک جن و بھوت کے قصہ بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا اور یہ کوشش ہو رہی تھی کہ ایک دوسرے سے زیادہ حیرتناک اور تعجب خیز ہو۔

سعید نے اپنے نازک ہاتھوں کو ہلاتے ہوے ایک بہت ہی دلچسپ قصہ بیان کیا۔ جعفر اپنا چھ فٹ کا دراز قد لئے ایسا خوفناک قصہ سنایا کہ میری تو روح کانپ گئی۔ قیصر نے اپنے لانبے اور بدوضع دانتوں کو ہونٹوں سے دبائے ہوئے ایک بھونڈا سا قصہ سنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ان قصوں کو سن سن کر ڈر رہا تھا اور منہ ہی منہ میں قران شریف کی سورتیں دہرا رہا تھا۔ کیونکہ مجھے ایسے قصوں سے ہمیشہ ڈر لگتا ہے جعفر کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تشریف لائے تھے لیکن وہ نہایت متانت اور خاموشی کے ساتھ ان قصوں کو بے حد دلچسپی سے مسکراتے ہوے سن رہے تھے

قیصر نے انھیں مخاطب کر کے کہا "کیوں جناب آپ نے بھی کبھی کوئی ایسا تعجب خیز واقعہ دیکھا یا سنا ہے؟"

کچھ دیر تو وہ خاموش رہے۔ پھر یوں کہنے لگے۔ ہاں! قصے اور کہانیاں۔ تو نہیں ہیں بلکہ ایک حیرتناک واقعہ خود مجھ پر گذر چکا ہے۔"

یہ سنکر سب ہمہ تن گوش اون کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ اپنی روداد بیان کریں سبھوں کا اشتیاق بڑھ گیا اور اوھیں مجبور کرنے لگے کہ اپنا واقعہ بیان کریں۔ اور میرا جی تو یہی چاہتا تھا کہ وہ خاموش ہی رہیں تو بہتر ہے کیونکہ ایسے قصے اور واقعات

سننے کے بعد میری راتیں عموماً کرب و بیقراری کے نذر ہو جاتی ہیں اور ایک لمحہ کو بھی پلک جھپکتی نہیں۔

مگر احباب کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔ مجبور ہو کر وہ بیان کرنے لگے۔

"ایک سال ہوتا ہے یا کچھ زیادہ ٹھیک تاریخ یاد نہیں میں "ویکاجی" ہوٹل کے کمرۂ نمبر(۲) میں مقیم تھا۔ اس کمرہ کی دیواریں رنگین تھیں بارش اور امتداد زمانہ کی وجہ سے بعض کا رنگ کسی قدر پھیکا ہو گیا تھا اور بعض مختلف لکیریں آڑھے تیڑھے پڑی ہوئی تھیں۔ انھیں لکیروں میں صاف طور پر ایک انسانی چہرہ گھورتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور یہ چہرہ کچھ ایسا عجیب و غریب تھا کہ اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے۔ پھرتے میری آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ حقیقت میں وہ کوئی فرضی نقش نہیں ہے بلکہ کوئی جیتا جاگتا انسانی چہرہ ہے۔ جو دیوار سے جھانک جھانک کر میری حرکات کی نگہبانی کر رہا ہے۔ اتفاق دیکھئے کہ اسی زمانہ میں انفلوانزا کا کچھ ایسا زور ہوا کہ میں بھی اس کی زد سے بچ نہ سکا۔ اب میرے ذمہ کوئی کام تو تھا نہیں۔ پلنگ پر لیٹے ہوئے اسی چہرہ کو گھورا کرتا تھا۔ مجھے اس چہرہ سے کچھ ایسی دلچسپی ہو گئی تھی کہ بغیر دیکھے چین بھی نہ آتا تھا کیونکہ اس چہرہ میں ایک خاص کشش تھی۔ پیشانی دبی ہوئی۔ ناک کسی جانور کے چونچ کی طرح نکلی ہوئی۔ غرض ہر شئے نرالی۔

کچھ زیادہ دن میری علالت میں نہیں گذرے کہ میں بھلا چنگا ہو گیا۔ مگر لطف یہ کہ اس عرصہ میں اوس کے چہرہ کے خد و خال میرے دل و دماغ میں اور بھی مرتسم ہو گئے۔ اور مجھے اس درجہ یقین کامل ہو گیا کہ دنیا میں ایسے چہرہ کا ہونا لازمی ہے اب مجھے اوس سے ملنے کی آرزو پیدا ہو گئی۔ میں گلی کوچوں میں بیکار پھرنے لگا۔ جہاں کہیں فٹ بال۔ ہاکی۔ کرکٹ۔ کے میچ ہوتے ہیں اوسکی تلاش میں نکل جاتا۔ نام پلی اسٹیشن کی گشت تو میرا روزانہ کا معمولی مشغلہ تھا۔ میری تلاش اب اس درجہ پہنچ گئی تھی کہ اب احباب مجھے پاگل۔ دیوانہ۔ سودائی کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ جسقدر مجھے اس سے ملنے میں یاس ہوتی گئی میرا شوق جستجو اور بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک روز "چار مینار" کے پاس میں بغیر کسی ارادہ کے یوں ہی سٹرلست لگا رہا تھا کہ وہی چہرہ ایک تانگہ میں بیٹھا ہوا گذر گیا۔ رنگ سانولا۔ بال بالکل حبشیوں کی طرح سیاہ اور بل کھائے ہوے۔ اس کو تائید غیبی

سمجھی یا میری تلاش و جستجو کا دیرینہ نتیجہ۔
مین نے بھی فوراً ایک تانگہ کرایہ پر لے لیا
اور لگا تعاقب کرنے۔ وہ پھرتا پھراتا نامپلی
اسٹیشن پہنچ گیا۔ اور واڑی جنکشن کا ٹکٹ
خرید رہا ہے۔ ریل کا سگنل ہو چکا ہے
مین نے اپنے جیبوں کا جائزہ لیا تو کچھ
پیسے نکل آئے اور فوراً وقارآباد کا ٹکٹ
خرید لیا کہ آج اس منزل کو ٹھکانے لگانا
چاہئے مجھے اس شخص سے بات کرنے کا
موقع نہ ملا کیونکہ اس کے ساتھ اور بھی
بہت سے لوگ تھے۔

جب ریل وقارآباد پر ٹھہری تو مین
فوراً کود پڑا اس خیال سے کہ شائد وہ پلیٹ
فارم پر آئے! اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ
وہ بھی ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے اپنے ڈبے
سے نیچے اتر رہا ہے۔ اور پلیٹ فارم پر
مشغول تفریح۔ مین جرات کرکے اوسکے
قریب پہنچ گیا اور کہا "جناب معاف کیجئے گا
کیا آپ مجھے اپنے نام اور مقام کا کارڈ دے
سکیں گے"؟ پہلے تو وہ میرے اس سوال
پر کسی قدر حیران رہا پھر بغیر کچھ کہے سنے اپنے
جیب سے ایک نفیس کارڈ نکال کر مجھے
دیدیا۔ مین کارڈ لیکر ویٹنگ روم میں چلا گیا
میرا دماغ بیکار تھا۔ آنکھوں سے کچھ سوجھائی
نہیں دیتا تھا۔ جبکہ کارڈ پر "ویکاجی للکیت
بمبئی" لکھا ہوا دیکھا۔

اسکے بعد نہ معلوم مجھے کب ہوش آیا
اور جب آنکھ کھولی تو "عثمانیہ ہاسپٹل" میں
بستر بیماری پر دراز ہوں۔ اسقدر قصے کے
بعد وہ صاحب خاموش ہوگئے اور ہم سب
متحیر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے
کہ کسقدر تعجب خیز واقعہ ہے۔!

پھر یوں بیان کرنے لگے! ہاں جب مین
بالکل اچھا ہوگیا تو پھر ویکاجی ہوٹل آگیا کیونکہ
اب مجھے اس للکیت سے ایک خاصی دلچسپی
ہوگئی تھی۔ اور جی چاہتا تھا کہ اوس کے
مزید حالات دریافت کئے جائیں۔ بمبئی کو
متعدد خطوط احباب کو لکھے اور کئی پارسیوں
سے دوستانہ مراسم بڑھائے اسقدر چھان بین
کا محض اسقدر نتیجہ نکلا کہ اوسکی ماں حیدرآباد
کی رہنے والی ہے اور وہ بمبئی کا مشہور
لکیتی ہے۔

ایک روز مین حسب معمول ہوٹل میں
اُس چہرہ کو دیکھ رہا تھا آج مجھے اوس میں
غیر معمولی تغیر و تبدیل دکھائی دیا خیال
یہ ہوا کہ شائد فریب نظر ہے آنکھیں مل مل
کر دیکھنے لگا لیکن صورت میں یقینی تبدیلی
تھی۔ اب مجھے یہ فکر دامنگیر تھی کہ آخر اس
انقلاب کا سبب کیا ہوگا۔ دماغ کچھ کام
نہ کرتا تھا۔ دفع الوقت کے لئے روزانہ

"رہبر" خریدا پہلے صفحہ پر نہایت نمایاں حروف میں لکھا تھا" کل صبح ایک پارٹی موٹر کے ذریعہ بمبئی جارہی تھی اثناء راہ میں شوفر کی بے احتیاطی سے کار الٹ گئی۔ اور کئی لوگ زخمی ہوے جسمیں بمبئی کے مشہور تاجر مسٹر ویکاجی بھی موجود تھے جنہیں شدید زخم آئے ہیں"۔

مین فوراً ہوٹل واپس آیا پھر اوسی چہرہ کا معائنہ کرنے لگا بتدریج اوس میں تبدیلی واقع ہورہی تھی۔ یہانتک کہ وہ بالکل مٹ گیا۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ شاید ویکاجی کا ضرور انتقال ہوگیا ہوگا۔ چنانچہ یہ دن اور رات نہایت بے چینی میں کاٹی۔ دوسرے روز اخبار میں یہ المناک خبر پڑھی "کل ویکاجی نے انتقال کیا"

ہم لوگ آپس میں کہنے لگے کہ واقعی نہایت عجیب وغریب واقعہ ہے۔

ہاں! جناب میرے واقعہ میں تین چیزیں مخفی ہیں پہلے یہ کہ کیا بارش کی وجہ دیوار پر ایک انسانی صورت اتر جائے دوسرے اوس شخص کا نام بھی جگہ کے نام سے مناسبت رکھتا ہو۔ ابھی سائنس کو زمانہ درکار ہے کہ وہ ایسے معموں کو حل کرسکے۔

یہ کہکر وہ صاحب تو چلنے بنے اور انکے ساتھ جعفر بھی اوٹھ کھڑے ہوے اور ہم لوگ انہیں رخصت کرنے کے لئے بنگلے سے نیچے اتر آئے!

جب یہ موٹر میں سوار ہوگئے اور موٹر بڑھنے والی تھی تو سعید نے کہا ہاں جناب آپ نے تیسری وجہ نہیں بیان کی۔

اہا! تیسری وجہ تو مین بھول ہی گیا اب سن بھی لیجئے ورنہ قلق رہ جائیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا یہ ایک من گھڑت قصہ ہے جسکو میرے دماغ نے آدہ گھنٹہ قبل آپکے قصے سنتے ہوے تراشا تھا کہ کچھ تو سامان گپ شپ مکمل ہوجائے۔؟ زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ موٹر روانہ ہوگئی۔ اور ہم لوگ بیوقوفوں کی طرح ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔

سعید نے کہا! آخر وہ تھے کون جنہیں جعفر اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اسوقت جعفر بھی موجود نہیں ہیں ورنہ اونکی بری گت بنتی اسں کچھوے بری طرح میش زنی کی۔ مین فوراً سجدہ شکرانہ ادا کیا کہ چلو یہ ایک فرضی فسانہ تھا۔

جناب سید شرف الدین صاحب ساقیؔ

مجازاً ہی سہی لیکن حقیقت کو عیاں کردے ٭ بس اب اے جذب الفت ختم بحث این و آں کردے
وہ ہرجائی ہے اے جذب تصور کام کر اپنا ٭ ہماری بیخودی کو پردہ دار لامکاں کردے
حریم ناز میں اتنا کرم کر جلوۂ جاناں ٭ بھلا دے غم گساری رازداں کو بدگماں کردے
یہ وقت امتحان ہے جلوہ فرمائی سے کچھ پہلے ٭ شکیبائی کو ذرد دیدہ نگہ سے نیم جاں کردے
ترے بیمار الفت کی اگر قسمت میں صحت ہو ٭ مداوا کا اثر یارب نصیب دشمناں کردے
بھٹک کر تیری الفت سے قدم گر جادہ پیما ہو ٭ مٹادے خاک کردے خاک گرد کارواں کردے
ریاض دہر میں کانٹوں سے بھی دل میں خلش گر ہو ٭ نشیمن کو الٰہی نذر برق آشیاں کردے
تری الفت کا دم بھرنے میں دم بھر کی جو غفلت ہو ٭ تو یدزیست کو پیغام مرگ ناگہاں کردے
مٹادے اعتبار زندگی کو جیتے جی مرے ٭ مرے قصہ کو ہم عنوان یا درفتگاں کردے

فلک کی شعبدہ بازی سے عاجز آگیا ساقیؔ
الٰہی رحم کر۔ برہم طلسم جسم و جاں کردے

اتنی بگڑی ہیں وہ مجھسے کہ اگر نام انکا
لکھتی کاغذ پہ ہوں اور حرف بگڑ جاتے ہیں

دل چاہتا ہے کہ ناسازی مزاج کا بہانہ کردوں یا ——— عدم فرصت کا۔ مگر جھوٹ بولنے طبیعت نہیں چاہتی حقیقت ہی کیوں نہ لکھدوں ———؟ مگر حقیقت لکھنے اور سچ بولنے میں ڈر ہے کہ کہیں تغافل شعار' اور' بیوفائی' کا الزام عائد نہو جائے! تاہم ارسطو کے اس قول پر میرا بھی صاد ہے کہ جھوٹ بگاڑ دیتا ہے۔ بنا تو پھر بھی نہیں سکتا اس لئے سچی بات تو یہ ہے کہ چند دلچسپ پیچیدگیوں 'دل پسندے جھنجھٹوں' میں مبتلا تھی اس اثنا میں کئی دفعہ آپکا اور آپ کے خطوط کا خیال تو آیا۔ مگر جواب لکھنے دل نہیں چاہتا تھا۔ محض اس لئے کہ اگر اسوقت جواب لکھتی تو نہایت بے ڈھنگی تحریر میرے قلم سے نکلتی۔ آپ کا یہ شعر:-

وہ کون صاحب قسمت ہے آپ کا مہماں
مجھے تو رشک بھی ہے او ر یہ الشہاب بھی ہے

(آخر الذکر) درست نہیں کیونکہ آپ کو رشک کی ضرورت نہیں۔ رشک اسوقت کرنا چاہیئے جبکہ اک طرف کمی دوسرے طرف زیادتی ہو جائے۔ اور یہاں وہ معاملہ نہیں۔ کیونکہ آپ کے عنایت ناموں کی مہربان تحریرات مجھے ممنون کرتی ہیں اور آپ کے نفیس و پاکیزہ تحفے ہمیشہ مجھے مسرور کرتے رہتے ہیں بے شک [illegible] لباس میں ہیں مجھے دیسی لباس پہنے

جھجک ہوتی ہے ۔ تاہم اس کی کوشش
کرونگی ۔ جس بات کی عادت ہو جاتی ہے
اس کا ایک لخت چھوڑ دینا مشکل ہے ۔
چنانچہ یہ تصویر بھی فراک ہی میں بھیجونگی یا
آپ چاہیں تو "فرکوٹ" میں ۔
کیا آپ کہیں ۔ سی ۔ آئی ۔ ڈی میں تو
نہیں رہی ہیں ؟ پھر یہاں کس کے ذریعہ
میری خیریت دریافت کی جاتی ہے ؟ جب
آپ کو اتنے ذریعہ میسر ہیں کہ میرے حالات
معلوم کریں تو یہ آسانی سے معلوم کر سکتے
ہیں کہ گذشتہ دلوں میرے پاس کون
مہمان رہے ؟ میرے کیا کیا مشاغل تھے ؟
کیوں ٹھیک ہے نا ؟
میری تصویر ——؟ کو ؟ نہیں ۔
مت بھیجئے ۔ البتہ دوسری جو میں بھیجونگی
وہ ضرور بھیجنا ۔ اسوقت میں وہ فرمائش
نہیں کرتی اس کا وقت آئندہ ہے ۔ مزید
براں آپ مصر بھی ہیں ۔ پھر کیوں کروں ؟
آئندہ سہی ۔
نوٹ پیپر کے لئے دل سے شکریہ ۔ مگر ایسی
تکلیف نہ فرمائیے ۔ اس دفعہ آپ ہی کے
کاغذ پر لکھتی ہوں میرے پاس اور آپ کے
کاغذ موجود ہیں مگر ذرا کفایت شعاری سے
استعمال کرتی ہوں ۔ یہی وجہ ہے کہ دو تین دفعہ
دوسرے کاغذ پر آپ کو خط لکھا ۔
اسی وقت ایک پرندہ میرے
دریچے کے پاس اس زور سے سیٹی بجا رہا
ہے ۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی
شوخ و شنگ لڑکی نہر کے کنارے بیٹھی
پربط بجا رہی ہے ۔
محترمہ .... کے خطوط آتے ہیں ۔
جواب لکھونگی ' پرسوں ' لکھونگی ۔ آپکے
حالات و خیریت لکھئے ۔ امید ہے کہ
جواب کے دینے میں آپ مجھ سے انتقام
نہ لیں گی ۔ دیکھئے کیسا طویل خط لکھدیا ۔
کبھی "تھینکس" صبح کے دس بج رہے
ہیں وہ پھر لے جانے پر دو سہیلیوں کو
مدعو کیا ہے ۔ مجھے لباس تبدیل کرنا ہے
نیند بھی آتی ہے ۔ اس لئے ختم کرتی
ہوں ۔ پھر خیال ہوتا ہے کہ اتنی طویل
مدت کی خاموشی کے بعد ۵ صفحوں کا
خط کہیں کسی کے شعلہ مزاج کو بھڑکا نہ دے
لیجئے خط شبہائے سرما کی طرح طویل
ہو گیا ۔
اچھا عزیزہ ——
خدا حافظ

نعت

جناب کپٹن محمد اعجاز علی صاحب شہرت

جو ترے رتبے ہیں وہ سب انبیا رکھتے نہیں ؛ رفرفِ سبز و براق با دیار رکھتے نہیں
زینت دنیا ترے در کے گدا رکھتے نہیں ؛ فرش مخمل کیا ہے نقش بوریا رکھتے نہیں
آرزوئے دولت فانی و خوف روزِ حشر ؛ ہم غلامان حبیب کبریا رکھتے نہیں
اونکے دل سے پوچھ جو واقف ہیں لطفِ عشق سے ؛ درد رکھتے ہیں مگر فکر دوا رکھتے نہیں
دامن سلطان عالم چھوڑکر جائیں کہاں ؛ ایسی نیت یہ غلام باوفا رکھتے نہیں
ناز دولت پر نہیں زیبا ہے اے اہل دول ؛ آپ ہی بندے ہیں شاید ہم خدا رکھتے نہیں
ہے عمل مدت سے یک درگیر و محکم گیر پر ؛ ہم ٹھکانا جز در خیر الوریٰ رکھتے نہیں
دولت مدح محمد نے بنایا ہے غیور ؛ ہیں گدا لیکن کسی سے التجا رکھتے نہیں

جو مقدر کا ہے وہ مل جائیگا شہرت خموش
تابع مرضی مالک مدعا رکھتے نہیں

بولتی تصویر

جناب مرزا اسلیم بیگ صاحب

(۳)

برلن میں تعلیم کی مصروفیت کی وجہ سے مجھے اتنا موقع نہیں ملا کہ وہاں کے تھیٹروں اور سینماؤں کو دیکھتا۔ ایک دفعہ ایک تھیٹر میں بولتی فلم دیکھا اور کچھ نہ سمجھا۔ ایک دفعہ ونٹر گارٹن تھیٹر میں گیا۔ یہ بہت خوبصورت اور وسیع تھیٹر ہے اور بڑے تکلف سے سادگی کے ساتھ سجا ہوا ہے۔ اس کو بھی دوسری دفعہ نہ دیکھ سکا۔ برلن کے بعد میں لندن گیا۔ یہاں مجھے کوئی کام نہ تھا۔ مگر اتفاق سے چھ ہفتے تک لندن میں میرا قیام رہا۔ اس عرصہ میں کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرا کہ میں نے روانگی کا قصد نہ کیا ہو اور کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے اس ارادہ کو ملتوی نہ کرنا پڑا ہو ساتھ والوں کے اصرار یا تنہائی کے خیال نے مجھے میرے ارادہ میں کمزور ہی رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں اسپین نہ جا سکا اور پیرس کو بھی دل بھر کے دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی۔ قادری صاحب زور اور شوکت اللہ صاحب کی عنایتوں کا ممنون ہوں کہ انہوں نے تھوڑے وقت میں مجھے پیرس کا بہت کچھ حصہ دکھا دیا۔ شوکت اللہ صاحب اور قادری صاحب زور اپنی علمی انہماک کے باوجود تھوڑا تھوڑا وقت مجھے دیتے اور سیر کرا دیتے تھے یہ یورپ سے واپسی پر میں ان دوستوں کی مہربانیوں کا خیال کر کے اب بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ یورپ کی سیاحت سے جو

جذبۂ امتیاز مجھ میں پیدا ہوگیا ہے وہ اظہار
شخصیت کے لئے کافی ہے۔ یورپ کے اور
ممالک میں تو ٹاکی پکچر یا بولتی تصویروں کا
کچھ زیادہ رواج نہیں البتہ لندن و جرمنی
میں اس کا بہت چرچا ہوگیا ہے ہندوستان
میں بھی بڑے بڑے شہروں میں اس کا
زور ہوتا جا رہا ہے۔ انگریزی زبان کے
گانوں سے ہندوستان میں وہ دلچسپی
نہیں ہے جو اردو زبان کے گانوں میں
ہے۔ پھر بھی ہندوستان میں وہ شوق
نہیں ہے جو لندن کے لوگوں کو ہے۔
پیرس اور برلن میں بھی زیادہ تر تھیٹر اور
ڈرامے کو ہی پسند کیا جاتا ہے۔ یورپ
جانے سے قبل ہندوستان میں بولتی
تصویریں دیکھنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا تھا
اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی اس کا
موقع نہ ملا جرمنی میں ایک مرتبہ گیا تھا۔
زبان کی ناواقفیت کی وجہ کچھ دلچسپی نہیں
ہوئی۔ لندن میں سینما یا بولتی تصویریں
دکھانیکا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ بریک
فاسٹ سے رات کے بارہ بجے تک تھیٹر
کھلے اور تماشہ ہوتا رہتا ہے جس وقت
جی چاہے ٹکٹ لو اور اپنا پروگرام پورا
کرلو۔ یعنی اگر آدھا تماشہ ہو چکا ہے تو
آدھا دوسرے پروگرام میں دیکھو ایک

پروگرام ہر تھیٹر میں کم از کم ایک ہفتہ ضرور
چلتا ہے بعض قیمتی اور مقبول فلم تین تین اور
چار چار مہینے تک دکھائی جاتی ہیں ریٹ
ٹکٹ کم از کم معمولی تھیٹروں میں ایک شلنگ
ہوتا ہے۔ بغیر بولنے والی تصویروں کا رواج
نسبتاً بہت کم ہوگیا ہے البتہ روزمرہ کے
واقعات معمولی خبروں کی حیثیت سے
بتادئے جاتے ہیں ورنہ عموماً ڈرامے
بولنے والی تصویر کے ہی ہوتے ہیں ڈرامہ
تھیٹر عموماً علیحدہ ہوتے ہیں ان میں ناچ
گانا۔ باجا اور شعبدے وغیرہ ہوتے ہیں
شوقینوں کا اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ ٹکٹ
ملنا دشوار ہو جاتا ہے بڑے بڑے تھیٹروں کے
آگے دو دو تین تین گھنٹے تک ٹکٹ خریدنیکا
انتظار کرنا معمولی بات ہے۔ لڑکے
لڑکیاں اپنے اپنے دوستوں کا یہیں
انتظار کرتے ہیں اور عموماً ایسے ہی مقام
ملاقات کا مرکز قرار پاتے ہیں۔ ٹرام موٹر بس
اور زمین دوز ریلوں نے مشرق و مغرب
کے دوستوں کو ان تھیٹروں میں ملاقات
کی سہولتیں بہم پہنچادی ہیں۔ میں نے
کسی مرد کو تنہا تھیٹروں میں جاتے ہوئے
نہیں دیکھا۔ تھیٹروں میں آنے والوں کی
سہولت اور جگہ کے انتظام کے لئے خوبصورت
نازنین جوان لڑکیاں وضعدار لباس پہنے

دروازے پر کھڑی رہتی ہیں جو تماشہ بینوںکو
بجلی کے بلبوں سے راستہ بتاتی اور جگہ پر
لیجا کر بٹھا دیتی ہیں۔ یہی لڑکیاں سگریٹ
لیمونیڈ۔ چاء۔ کافی۔ اور چاکلیٹ بھی
لادیتی ہیں اور انہی کے ذریعہ تماشہ کا
پروگرام بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔
لڑکیوں کا لباس عمارت کی مناسبت
یا تھیٹر کے کر و فر کے لحاظ سے ہوتا ہے
بعض تھیٹروں میں یہ لباس موسم کی مناسبت
سے رکھا جاتا ہے ہر جگہ عورتیں ہی منتظم
ہوتی ہیں اور ہر جگہ لڑکیوں سے ہی واسطہ
پڑتا ہے۔ ہر کاروباری جگہ پر عورتیں ہی
پیش پیش ہوتی ہیں مگر تھیٹروں سینماؤں
اور ہوٹلوں میں ان کی تعداد زیادہ اور
دلچسپ ہوتی ہے۔ حال ہی میں لندن سے
جو پیدائشی اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں
اُن کے لحاظ سے غالباً عورتوں کی یہ افراط
نہ رہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ آئندہ زمانہ میں
بیویاں بھی بمشکل میسر آئینگی اس لئے
ممکن ہے کہ عورتوں کے کام بھی مردونکو
ہی کرنے پڑیں۔

تھیٹروں میں بھی عورتوں کا وجود
اضافۂ آمدنی کا باعث ہوتا ہے۔ یورپ
کے لوگ تفریح کو ہر حالت میں مقدم
سمجھتے ہیں اور بیکار وقت کو ایسے ہی مشاغل میں
گذار دیتے ہیں۔ بالخصوص تھیٹروں میں
جہاں وقت کا کوئی تعین نہیں ہے۔
پکاڈلی اور ہیمارکٹ کے تھیٹر شرح ٹکٹ
کے لحاظ سے گراں ہیں ہجوم بھی زیادہ ہوتا
ہے۔ پروگرام بھی دلچسپ۔ عمارتیں بھی
شاندار ہیں اور اچھی طرح سجی ہوئی ہیں۔
مگر برلن کے ونٹر گارٹن تھیٹر کو نہیں پہنچتیں
پیرس کے فولی برجر اور اوپرا کی خوبیاں
کچھ اور ہیں۔

لندن میں بولتی تصویر دیکھنے کا مجھکو
کئی دفعہ اتفاق ہوا پہلی مرتبہ لندن میں
ڈومنین تھیٹر گیا۔ جہاں فینٹم آف دی اوپرا
ہو رہا تھا۔ یہ فلم دو ماہ قبل سے ہو رہا تھا
اور جبتک میں وہاں رہا یہی فلم ہوتا رہا۔
لوگوں کی کثرت سے بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی
ڈھائی شلنگ کا ٹکٹ لیکر دروازہ پر پہونچا
ایک خوش رو آبی لباس والی لڑکی نے
بجلی کے جیبی لیمپ سے میرا استقبال کیا۔
کوٹ اور ٹوپی پر قبضہ کرکے اوسکا ٹکٹ
میرے حوالے کیا۔ دن کے دو بجے تھے بازارو
میں دھوپ تھی مگر تھیٹر کے اندر سخت اندھیرا
تھا۔ اپنے خوش لباس رہبر کی رہبری سے
ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت و مرد
بھرے ہوئے تھے مگر کسی کی سانس کی آواز
بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ یورپ میں کھانا

تھوکنا یا زور سے بات کرنا سخت معیوب خیال
کیاجاتا ہے۔ ہر جگہ اس کی ممانعت تختیاں لگی
ہوئی ہیں۔ یہ تہذیب ہندوستان میں یہ سب
عیب ہوتے ہیں۔ ہندوستانی بلاوجہ کھانستا
ہے۔ بے ضرورت تھوکتا ہے۔ خواہ مخواہ چیخ کر
بولتا ہے۔ اس لئے کالے آدمی سے یورپین
تہذیب کی پابندی بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔
غنیمت ہے کہ یورپ میں ہندوستانی کو پان
نہیں ملتا۔ اگر کہیں ہوائی جہازوں نے اس میں
سہولت بہم پہنچائی تو خدا معلوم یورپ میں تھوکنے
کی ممانعت میں کیسے قوانین نافذ ہوں۔ اور
ہندوستانیوں کے راستہ اس طرح روکے جائیں
جیسے چوہوں کے روکنے کے لئے جہاز کے رسوں
پر ٹین کے ڈبے لگائے جاتے ہیں۔ پیرس کی
مورتین یونیورسٹی دیکھکر مجھے اکثر یہ خیال آیا کہ
افسوس یہاں پان کھاکر کوئی ہندوستانی نہیں
گذرا ورنہ ایسے چکنے اور صاف در و بام بغیر
پیک کی افشاں کے نہ رہتے۔ ایسے
مقامات پر چلنے کے لئے ہندوستانیوں کو
اشتہار۔ اخبار۔ یا کاغذی رومال جیب میں
رکھنے پڑتے ہیں۔ بار خاطر ہو مگر جیسا دیس
ویسا بھیس کے خیال سے کچھ نہ کچھ پابندی
کرنی ہی پڑتی ہے۔ تماشہ تو شروع ہو چکا
تھا تماشبین محو تماشہ تھے۔ ایسے وقت میں
میری آمد نے ذراسی جنبش لوگوں میں پیدا کردی

اور پھر وہی سکون ہو گیا۔ سائنس کی اس
عجیب و غریب ایجاد پر ذکاوت و ذہانت
کی داد دینی ہی پڑتی ہے۔ انسان اس کو
دیکھکر محو حیرت بنجاتا ہے۔ ٹاکی پکچر یا بولتی
تصویر کو نہایت غور سے دیکھنے پر بھی لب و
دہن کی حرکات کا آواز سے کوئی اختلاف
نہیں معلوم ہوتا۔ یہ یقین ہوتا ہے کہ تصویر
بول رہی ہے۔ اور تصویر گا رہی ہے۔
اور تصویر کی حرکت سے آواز پیدا ہو رہی ہے
گہری توجہ سے اسکو دیکھا سُنا اور غور کیا۔
تامل کے ساتھ سمجھا بھی اور لطف اندوز بھی
ہوا۔ مگر بولتی تصویر کو میں اپنے خیال میں
جو کچھ سمجھے ہوے تھا وہ نہ تھی۔ بولتی تصویر
کی گویائی میں اصلی آواز کی لطافت۔ بات
چیت کی شیرینی۔ تکلم کا سحر یکقلم مفقود تھا
آواز میں جھنجھناہٹ اور کرختگی محسوس
ہوتی تھی۔ بعض اوقات تو یہ معلوم ہوتا
تھا کہ بولنے والی تصویر کا گلا غیر معمولی طور
پر بیٹھا جا رہا ہے۔ گویا پھندا پڑ گیا ہے یا
آواز میں پستی آگئی ہے۔ مجھے یہ تصویریں
اچھی بھی معلوم ہوتی تھیں اور بری بھی
ان تصویروں میں یورپ کا تمدن ہندوستان
کے لئے بہت کچھ دلکشی رکھتا ہے اور یہی
دلکشی مجھے بار بار ان تھیٹروں میں لیجاتی
تھی۔ ہندوستان میں بھی اردو کی بولتی فلم

آنے لگی ہیں۔ اور بعض بعض اپنے فوٹوگرافی کے لحاظ سے بھی عمدہ ہیں۔ گانے والے بھی ہندوستان کے مشہور گوئیے ہیں برلن اور لندن کی بولتی تصویریں ممکن ہے کہ زبانی مشکلات کی وجہ سے دلچسپ نہ ہوسکیں مگر اردو کے فلم میں یہ مشکل باقی نہیں رہتی اور گانا۔ بات کرنا وغیرہ باسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ مگر آواز کی تصنع اور آواز کی گونج اور ان سب پر نازک ایکٹروں کے ساتھ سخت آواز کا اختلاف تنفر بھی پیدا کردیتا ہے۔

کئی دفعہ یہ تصویریں دیکھیں تھیٹر کے شوق میں دیکھیں۔ دوستوں کے اصرار سے دیکھیں۔ کبھی تھیٹروں میں بلایا گیا اور کبھی یوں تھیٹروں میں جانا پڑا۔ اپنی خوشی سے بھی گیا اور دوسروں کی خوشی بھی پوری کی "برائے خاطر یاران نواں کشید شراب" پر عمل کرکے خوش دنا خوش ان تصویروں کی داد دیتا ہی رہا اور ہمیشہ ان تھیٹروں سے وہ اثر لیکر اٹھا جو آج کل کی عام دلچسپی کے بالکل مغائر ہے مگر مجھے اس کے اظہار میں آزادی ہے میں ان تصویروں کو کسی طرح رقص و سرود کا بدل نہیں سمجھتا بولتی تصویر طبع نازک و مذاق سلیم کے لئے ایک بار ہے اور اوس سے واقعی تفریح حاصل کرنا قطعی غیر ممکن ہے البتہ اس ایجاد کو اگر کاروباری زندگی تک محدود رکھا جائے تو کارآمد بھی ہو اور مفید بھی۔ بولتی تصویر کو بالکل گراموفون یا لاؤڈ اسپیکر تصور کرلیجئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اگر گراموفون یا لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ تصویر نظر نہیں آتی۔ جس طرح گراموفون کے رکارڈ کا گانا فطرت کی نقالی ہے اوسی طرح بولتی تصویر کی آواز طبع سلیم کو کوئی مسرت نہیں بخشتی۔ موسیقی کی اس نقالی سے جذبات انسانی پر تخیل مضراب کی وہ چوٹ نہیں پڑتی جو حقیقی گانے میں تارہائے نظر اور پردہ ہائے دماغ سے مترنم ہوتا ہے۔ اگر آپ کو ابتک بولتی تصویر دیکھنے اور سننے کا اتفاق نہیں ہوا ہے تو آواز کے انداز کو۔ آواز کے ترنم کو گراموفون کی آواز تصور فرمالیجئے۔ جس میں مشین کی کھڑکھڑاہٹ سوئی کی سرسراہٹ اور پونگی کی جھنجھناہٹ نغمہ کی "صوت الحمار" بنادیتی ہے میں نے گراموفون کو کبھی شوق سے نہیں سنا۔ اور نہ اوس کے گانے میں مجھے لطف آیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مذاق لطیف کو اس آواز سے کس طرح مسرت و تفریح حاصل ہوسکتی ہے۔ گراموفون کا گانا ایک بے وقت کی راگنی ہے جس سے کسی طرح شوق پورا نہیں ہوسکتا۔

معلوم نہیں کہ وہ لوگ جو گانے سے واقعی
دلچسپی رکھتے ہیں یا گانا اور گانے کے زیر و بم
سے واقف ہیں وہ گراموفون کی مشین
اور اوس کے ریکارڈ سے جس میں ننھے لطیف
کا شائبہ بھی نہیں کیوں مذاق لطیف کو برباد
کرتے ہیں۔ اس تکمیل شوق کے طریقہ کو اگر
فیشن کی پابندی کہا جائے تو نامناسب
نہیں ہے۔ فیشن کی پابندی یا شوق کی
تکمیل اگر رقص و سرود کے محفلوں سے
صاحب گراموفون کو بے نیاز کردے تو
بولتی تصویر۔ لاوڈ اسپیکر اور گراموفون ا
کو بجا طور پر شوق سے سنا روا رکھا جاسکتا
ہے۔ گراموفون یا بولتی تصویر قدرتی
اور فطرتی جذبے پر اگر قدرت حاصل کرلے
تو یقیناً اس ایجاد کو قائم مقام کیا جاسکتا
ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہے اور
ریکارڈ ایک دو یا دو چار مرتبہ سننے کے
بعد دل سے اتر جاتا ہے۔ اور پھر کبھی سننے
کو دل نہیں چاہتا اور دوسرا خریدا جاتا ہے
ہر مہینے ضرورت اور بے ضرورت گراموفون کے ریکارڈوں کی خریداری ہوتی رہتی
ہے پچھلے ریکارڈ خراب ہو جاتے یا دل سے
اتر جاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک معقول
ٹیکس صاحب گراموفون کو ہر مہینے ادا
کرنا پڑتا ہے۔ یہی حال تقریباً فوٹوگرافی کے
شوق کا ہے۔ جس میں روز بروز نئی نئی قسم
کے اخراجات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔
مجھے فن کی حیثیت سے نہ تو فوٹوگرافی
پر اعتراض ہے اور نہ میں ڈاک کے ٹکٹوں
کے انتخاب یا مونوگرام کے نمونے جمع کرنے کا
مخالف ہوں۔ شوق اور تکمیل شوق میں
یقینی اخراجات عائد ہوتے ہیں اور ہر
شوقین اپنے شوق پر کچھ نہ کچھ خرچ کرتا ہی
رہتا ہے مگر جیتی جاگتی تصویروں کا نعم البدل
گراموفون یا بولتی تصویر کو بنانا حریص
طبائع کے لئے ہی موزوں ہے۔
سائنس کی بولتی تصویر شاعر کے مجازی
شوق سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جسطرح
گراموفون محفل رقص و سرود کا قائم مقام
نہیں ہوسکتا اوسی طرح بولتی تصویر قدرتی
گویائی کی لطافت۔ حسن ادا کی خوبی جذبات
کا اثر۔ ترنم کا اتار چڑھاو نہیں پیدا کرسکتا۔
مشین کے کل پرزے مضطرب دلوں کو
تسکین نہیں دے سکتے۔ مشتعل جذبات کو
سکون نہیں ہوسکتا۔ نغمہ میں لطف۔
ترنم میں دلکشی نہیں ہوتی۔ گانے اور ساز
کی آواز اسقدر بلند ہوجاتی ہے کہ گلے کی
لطافت باقی نہیں رہتی۔
سینما کی تصویریں حکایت۔ افسانہ یا
واقعہ کی صورت میں جس قدر دلچسپی رکھتی ہیں

اوران میں ایکٹروں کے کمال کا اندازہ کرنے کا جو موقع ملتا ہے وہ بولتی تصویروں میں نہیں ملتا۔ بولتی تصویر اپنی جدت کے لحاظ سے ضرور قابل تعریف ہے۔ مگر وہ اس کی مستحق نہیں کہ اپنے مشاغل کا عزیز وقت ایسے بے لطف گانے میں صرف کردیں۔ اور دل و دماغ کو کسی قسم کا نہ تو آرام ملے اور نہ کوئی تفریح ہو۔

مغربی زبانوں کی بولتی فلم دیکھنا تو بالکل عبث ہے مگر اردو کے بولتی تصویریں بھی اس قابل نہیں ہیں کہ روپیہ اور وقت صرف کیا جائے۔ خاموش فلم دیکھنا بہت غنیمت ہے اور یہ ایک حد تک دلچسپ ہوتی ہیں ان دونوں قسم کی تصویروں کو کسی فرصت کے وقت پر غور فرمالیئے۔ اور اپنی تفریح کے لئے ان دونوں میں سے کسی کو منتخب کیجئے اور بس

تاثرات

(جناب میر رضا علی صاحب ارمان تحصیلدار)

کیوں نام ترا ہر دم دل میرا لیا چاہے
کیوں ترے تصور کو ہر وقت جیا چاہے

میں چاک کروں دامن پر اس سے کسی کو کیا
کیوں مرے گریباں کو پھر کوئی سیا چاہے

اے جذبۂ دل اچھا دکھلایا اثر تو نے
دیدار کو ترسیں ہم غیروں کو پیا چاہے

دیکھا جو کبھی اس نے پہروں رہے بیخود تم
کیا حال تمہارا ہو ارمان جو پیا چاہے

جناب حکیم بہبود علی صاحب صفیؔ اورنگ آبادی

گھڑی بھر بھی جو ہم نے آپ کو کچھ مہرباں پایا ؛ تو گویا ساری دنیا مل گئی سارا جہاں پایا

تمہیں پایا ہے میں نے جب کبھی کچھ بدگماں پایا ؛ بتاؤ تو تمہی ایسا کہاں دیکھا کہاں پایا

خدا کی شان تھی کچھ بھی نہیں اور سب کچھ تھا ؛ سمجھ کھوئی تو ہم نے ایک ایسا بھی جہاں پایا

رہا بے لاگ بھی ایسا جسے بے لاگ کہتے ہیں ؛ مگر قسمت سے جب پایا کسی کو بدگماں پایا

نہیں ہے کیوں تری چشم کرم ہم خاکساروں پر ؛ نہیں ہے یہ تو نیچا دیکھنا او آسمان پایا

دیا آرام تم نے دوستی میں میں ہی جھوٹا ہوں ؛ تمہیں سچے چلو بس جاؤ پایا مہربان پایا

گماں ہوتا ہے رہ رہ کر ہنسی آتی ہے رک رک کر ؛ کہ اپنے گھر کسی کے پاؤں کا ہم نے نشان پایا

بتاؤں تو کسی کو قدر اوسکی کیا بتاؤں میں ؛ یہاں دنیا میں کھویا جسکو عقبیٰ میں وہاں پایا

صفیؔ اب انسے اوس سے کیا کہوں کیفیتیں دل کی

اوسے دیکھا جہاں دیکھا اوسے پایا جہاں پایا

دنیا میں کیا چیز ہنسنے کے قابل ہے؟ یہ تو بڑی سخت و دشوار گذار منزل ہے!!

انسان پیدا ہوتا ہے تو کس مصیبت سے دنیا میں آتا ہے!! اور پھر پیدا ہوتے ہی اس ہنسنے سے دل پر ایسی چوٹ لگتی ہے کہ بے اختیار رونے لگتا ہے — پھر کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلتا!!

زندگی — اُف! کیا یہ لفظ "زندان" سے اخذ نہیں کیا گیا؟

زندگی مہد سے لحد تک اموات کا ایک پُر تکلف جلوس ہے — جو لوگ اسکے موثر رسومات میں شریک ہوکر ہنستے، شور کرتے، اور قہقہہ مارتے ہیں — مجھے ہنسنے والوں سے نفرت ہے!!

مجھے اُترے ہوئے چہرے، دردناک آوازیں، آبدیدہ نظریں، آہ سرد اور سوگوار لباس بہت پسند و مرغوب ہیں!!

کھانے وقت میرے پیش نظر ہمیشہ بدہضمی کا مسئلہ رہا — شاید اسی لئے مجھے کھانا کبھی ہضم نہوا — تیرتے وقت اکثر یہی خیال دامنگیر ہوجاتا کہ اب ڈوبا — چنانچہ اس فن میں بھی میں نے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کی — سر تراشی کے وقت جلاد کی یاد — مقتل کی خون آشام فضا آنکھوں میں پھر جاتی — اور پھر تو

سلام

جناب میر مہدی علی صاحب شہید

غدیرِ خم کے متوالے سدا بیدار رہتے ہیں ؛ مئی حبِ علی سے رات دن سرشار رہتے ہیں

ٹپکتا ہے لہو تسبیح کے دانوں سے اب تک بھی ؛ گذر جاتے ہیں ظلم و جور پر آثار رہتے ہیں

شبِ ہجرت خدا جانے کہ کیونکر نیند آئی ہے ؛ علیؑ ورنہ ہمیشہ رات بھر بیدار رہتے ہیں

خلافِ صبر ہوگا نالہ اس سے بھی جو نکلے گا ؛ جب ہی زنجیر تھاسے عابدِ بیمار رہتے ہیں

نہ تھا ممکن شبِ معراج دونوں میں جدائی ہو ؛ نبی کے ساتھ ہر جا حیدرِ کرار رہتے ہیں

کہا عابدؑ نے بیماری نے مر دم شفا لکھا ؛ وہ اچھے ہو چکے بس جو سدا بیمار رہتے ہیں

غمِ شہ میں امنڈتا ہے جو سینہ اشک بہتے ہیں ؛ تہ دریا ہی اکثر گوہرِ شہوار رہتے ہیں

چھڑا کر ہاتھ سے کبریٰ کا دامن جا چکے قاسم ؛ نہیں بھرتے ہیں وہ جو زخمِ دامن دار رہتے ہیں

صدف ہے دامنِ زہرا میرے اشکو نکے گوہر کی ؛ یہ دریائے طہارت میں درِ شہوار رہتے ہیں

گلا زخمی ۔ ورم پانوں پہ تپ ہے ناتوانی ہے ؛ الٰہی قید میں ایسے کہیں بیمار رہتے ہیں

کفن بستر میں باندھا ہے سرہانے رکھکے سوتے ہیں
شہید اب کربلا جانے کو بھی تیار رہتے ہیں

گذارش واقعی

ادارہ

معاونین "شہاب" سے جب یہ اطلاعیں ملتی ہیں کہ پرچہ نہیں ملا تو یقین جانئے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ جب آپ نے چندہ عطا کیا ہے۔ اور عزت مطالعہ کا شرف بخشا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ پرچہ آپ کی خدمت میں نہ بھیجا جائے۔

ہم انہیں شکایتوں کے مدنظر پرچہ نہایت حزم و احتیاط سے دو دو مرتبہ خود تنقیح کرکے ڈاک خانہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ باوجود اسقدر احتیاط جب پرچہ نہ پہنچے تو خیال فرمائیے کہ ہمارے تاثرات کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔

ہم جانتے ہیں کہ "شہاب" کی تزئین اور آرایش دیکھکر جی نو للچا جاتا ہوگا اور تقسیم کنندہ اپنے اخلاقی فرایض سے غافل ہوکر اپنے آپ کو بھی دائمی خریدار سمجھ لیتا ہو۔

چنانچہ انہیں شکایتوں کے ارتفاع کے لئے جناب ناظم صاحب ٹپہ خانہ کو توجہ دلائی گئی ہے۔ دوسرا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی اور بلدہ میں جہاں جہاں خریدار ہیں وہاں اپنے مضامین نگاروں کو مقامی خریداروں کی فہرست بھیجدی ہے کہ وہ اس ٹوہ میں لگے رہیں کہ غیر خریدار کے پاس پرچہ دیکھیں تو پتہ چلائیں کہ کس سبیل سے اون کے پاس پہونچا ہے۔ اس طرح سے پرچے جو غائب ہو رہے ہیں اونکا نشان مل جائیگا اور جب یہ اطلاعیں ہمکو پہنچ جائینگی تو پھر ناظم صاحب ٹپہ خانہ جات کو اونکے نام بھی بتادینگے

اس لئے گذارش ہے کہ اگر پرچہ وقت پر نہ ملے تو پہلے مقامی ڈاک خانہ سے دریافت فرمائیے۔ پھر ہمیں اطلاع دیجائے ہم مکرر بھیجدینگے۔ براہ مہربانی اس خصوص میں ہمارا ہاتھ بٹائیے ورنہ دیدہ و دانستہ ہر مہینہ اسقدر کثیر نقصان کا "شہاب" ہنوز متحمل نہیں ہوسکتا۔

FAZAL PEN